وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ وفاق المدارس ملتان

جلد نمبر ۲۰ شمارہ نمبر ۱ محرم الحرام ۱۴۴۴ھ اگست ۲۰۲۲ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبد الرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط و کتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmial.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقرا التحریر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

موجودہ ملکی حالات میں قومی اتحاد کی ضرورت	شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم	۳
موجودہ معاشی بحران کا حل	حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ	۵
الاجازات الهندية وتراجم علمائها	مولانا محمد یاسر عبداللہ	۱۳
علوم الحدیث کا اجمالی تعارف	مولانا مفتی محمد طارق محمود	۲۴
مقام صحابہ قرآن کریم کی روشنی میں	مولانا شفیق احمد اعظمی	۳۸
تاریخ اسلامی اور سن ہجری کا آغاز	مولانا عبدالاحد کشمیری	۴۳
اردو ترجمہ کی روایت، ادبی محاسن اور اصول	محمد احمد حافظ	۴۶
حضرت مولانا قاری نذیر احمد گھوٹویؒ	جناب محمد اشفاق وسیر گھوٹوی	۵۱
چند چھوٹی چھوٹی توجہ طلب باتیں	مولوی غفران محبوب	۵۷
مالاکنڈ ڈویژن میں عظیم الشان استحکام مدارس کانفرنس	مولانا مفتی سراج الحسن	۶۰
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۲

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر۔ سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر۔ ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر۔

اندرون ملک | قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زرسالانہ مع ڈاک خرچ: 500 روپے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

موجودہ ملکی حالات میں قومی اتحاد کی ضرورت

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۱۰/ذی الحجہ۱۴۴۳ھ (مطابق ۱۰ جولائی ۲۰۲۲ء) عید الاضحیٰ کے روز حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے حسبِ معمول عیدگاہ گراؤنڈ ناظم آباد کراچی میں عید کی نماز کی امامت فرمائی اور نماز سے پہلے خطاب کرتے ہوئے قربانی کا مقصد و پیغام بیان کرنے کے علاوہ وطنِ عزیز پاکستان کے سیاسی و معاشی حالات کے پیشِ نظر ملک کے تمام طبقات سے اپیل کی ہے کہ وہ قومی مفاہمت اور قومی اتحاد کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنے ملک پر آنے والے مصائب ومشکلات کا مل کر مقابلہ کریں اور ملک کو بچانے کی فکر کریں، حضرت والا مدظلہم نے ان باتوں کو قربانی کا تقاضا قرار دیا۔ خطاب کا متعلقہ حصہ نذرِ قارئین ہے۔(ادارہ)

آج کل ہم ایک ایسے پر آشوب دور سے گزر رہے ہیں جس میں لوگوں کے دلوں پر جذبات کی حکمرانی ہے۔ سوچ سمجھ اور عقل ودانش کو استعمال کئے بغیر لوگ صرف جذبات کے پیچھے چل رہے ہیں اور ان جذبات کی وجہ سے قوم تقسیم ہو رہی ہے۔ ہم اقتصادی اعتبار سے انتہائی مشکلات کا شکار ہیں، ہم سیاسی اعتبار سے بھی تقسیم ہو چکے ہیں اور آپس میں لڑائیوں کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ گالم گلوچ ہو رہی ہے، ایک دوسرے پر الزامات لگائے جا رہے ہیں، ایک دوسرے کو برا بھلا کہا جا رہا ہے اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جا رہا۔ اقتصادی اعتبار سے ہمارے پاکستان پر شاید اتنا برا وقت پہلے کبھی نہ آیا ہو جیسا کہ آج کل کے حالات سے ہم گزر رہے ہیں۔

اس جیسے موقع پر درحقیقت قومی اتحاد کی ضرورت ہوتی ہے، قوم کے ایک ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہیں کسی گھر میں آگ لگی ہوئی ہو تو اس دوران گھر کے رہنے والے اس بحث میں نہیں پڑ کر وقت ضائع نہیں کرتے کہ یہ آگ کس نے لگائی؟ اس کی ذمہ داری کس پر ہے؟ بلکہ سب سے پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ گھر میں لگنے والی آگ کو

مل کر بجھائیں۔ آگ کو بجھانے کے بعد پھر آپس میں طے کریں کہ آگ کس وجہ سے لگی، کس کی کتنی غلطی تھی اور اب اس کی تلافی کیا ہوسکتی تھی؟ لیکن آگ بجھائے بغیر آپس میں لڑتے رہنا کوئی عقل مندوں کا شیوہ نہیں ہوتا، پہلا کام یہ ہے کہ آگ بجھائی جائے۔ ہمارے ہاں اس وقت جو بحرانوں کی آگ لگی ہوئی ہے، اسے بجھانے کیلئے اس وقت قومی مفاہمت اور قومی اتحاد کی ضرورت ہے۔ قوم کے تمام طبقات چاہے وہ سول ہوں یا فوجی ہوں، سیاسی جماعتیں ہوں یا انجمنیں ہوں، گروہ ہوں یا فرقے ہوں، اس وقت ضرورت ہے کہ وہ سب متحد ہوں اور متحد ہو کر اپنے ملک کے اوپر آنے والے مصائب اور مشکلات کا مل کر مقابلہ کریں۔

پچھلی عید کے موقع پر بھی میں نے گزارش کی تھی اور آج کے اس عظیم اجتماع میں پھر گزارش کرتا ہوں کہ خدا کیلئے نفرتوں کو مٹائیے، باہمی محبتوں کو فروغ دیجیے، ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر ملک کو بچانے کی فکر کیجئے۔ ملک کو دھڑوں میں تقسیم کر کے اور درمیان میں اس طرح لکیریں کھینچ کر کہ یہ ایک قسم ہے، یہ دوسری دوسری قسم ہے، اس طرح کبھی مسائل حل نہیں ہوتے۔ امریکہ روس سالہا سال لڑتے رہے اور بالآخر جو فیصلہ ہوتا ہے وہ آپس میں میز پر بیٹھ کر ہوتا ہے، ایک دوسرے کی بات سن کر اور ایک دوسرے کے موقف کو سمجھ کر اور اس کا حل نکال کر فیصلہ ہوتا ہے۔

افسوس ہے کہ موجودہ ماحول میں ہمیں اس کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا، لیکن اس قوم کے اصل حکمران آپ ہیں، عوام ہیں، مسلمان ہیں، یہاں کے رہنے والے ہیں۔ یہ اگر اپنے اپنے حلقوں میں اس بات کو فروغ دیں کہ باہمی اتحاد قائم کیا جائے، ایک دوسرے کے خلاف دشمنی کی فضا ختم کیا جائے، اگر کوئی شکایتیں ہیں تو مل بیٹھ کر ان کا ازالہ کیا جائے اور ملک کے مسائل کی طرف متوجہ ہوا جائے تو ان شاء اللہ ہم ان حالات سے نکل سکتے ہیں۔ یہ بھی آج کی قربانی کے دن کا ایک اہم تقاضا ہے کہ ہم اپنے جذبات کی قربانی دے کر اپنے خیالات کی قربانی دے کر اپنے ملک کو اور اپنے وطن کو بچانے کی فکر کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(ضبط وترتیب: مولانا راشد حسین، فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی)

موجودہ معاشی بحران

اور اُس کے رفع کرنے کی تدابیر، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

(پہلا حصہ)

ذیل میں محدث العصر حضرت مولاناسیدمحمدیوسف بنوری رحمة اللّٰہ علیه کی حکیمانه اسلوب پرمبنی ایك تحریر پیش کی جارهی هے۔ان دنوں همارا معاشره جس قسم کی معاشی تنگی سے دوچار هے ؛اس کے اسباب وعلل ایك تو ظاهر بیں نگاه دیکھتی هے اور ایك اصل حقیقت هے، جس سے حضرت بنوری رحمة اللّٰہ علیه نے پرده اٹھایاهے ۔یه اپنے موضوع پر جامع تحریر هے، اگرچه تحریر قدیم هے مگر اپنے مندرجات کے اعتبار سے آج بهی تازه هے، اللّٰہ تعالی همیں سمجهنے کی توفیق عطا فرمائے ......آمین!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ“۔(الروم:۴۱)

ترجمہ:... ”انسان کی بداعمالیوں کی وجہ سے بر و بحر میں فساد برپا ہے، تاکہ خدا اُن کی کچھ بداعمالیوں کا مزا اُن کو چکھاوے، شاید وہ باز آجائیں“۔

یہ حقیقت ہے کہ انسانی معاشرہ کو تباہ و برباد اور نظامِ معیشت کو درہم و برہم کردینے والی تمام تر خرابیوں اور بدکاریوں کی جڑ قومی معیشت میں ہوسِ زر اور اس کے نتیجہ میں پروان چڑھنے والی ”زراندوزی“ ہے، جس کو معاشیات کی اصلاح میں اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کہتے ہیں۔

اسلام نے اس اکتنازِ زر اور انجمادِ دولت کی بیخ کنی کرنے اور دولت کو چند ہاتھوں میں سمٹنے سے بچانے کی، یعنی سرمایہ کو متحرک رکھنے کی اور سمٹی ہوئی دولت اور منجمد سرمایہ کو گردش میں لانے کی تین تدبیریں تجویز کی ہیں:

ا:... انفاق۔۲:... زکوٰۃ وصدقات واوقاف۔۳:... توریث ووصیت۔

اور زر اندوزی کو جنم دینے اور پروان چڑھانے والے تین حرام ذرائع:ا:... سود اور سودی کاروبار، یعنی بینکاری۔۲:... جوا، سٹہ اور بیمہ کاری۔۳:... بیوع فاسدہ، یعنی ناجائز معاملات کو قطعاً حرام اور ممنوع قرار دیا ہے۔

ہم اول مذکورہ بالا تدابیر پر قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں تفصیلی بحث کریں گے، اس کے بعد زراندوزی کو جنم دینے والے حرام ذرائع پر مفصل بحث کریں گے اور قومی معیشت میں ان کے متبادل صحیح طریق کار بتلائیں گے، ان شاء اللہ العزیز! تاکہ مکمل طور پر اسلام کا اقتصادی نظام سامنے آجائے۔

ا:... انفاق

منجمد سرمایہ اور زر اندوز طبقہ:

قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

”وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ“۔(التوبہ:۳۴،۳۵)

ترجمہ:... ”اور جو لوگ سونے، چاندی کو دبا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (اے نبی!) تم ان کو بشارت دے دو دردناک عذاب کی، جس دن اس سونے چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیوں کو، پہلوؤں کو اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ وہی سونا چاندی تو ہے جو تم نے اپنے لیے دبا کر رکھا تھا، پس اب چکھو اس کو دبا کر رکھنے کا مزا“۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ جو بھی سونا چاندی یعنی سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ نہ کیا جائے، یعنی ایک یا چند ہاتھوں میں جمع ہو کر جام ہو جائے، وہ کنز ہے اور اس کا اکتناز حرام اور موجبِ عذابِ شدید ہے، لیکن جو سرمایہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کیا جاتا رہے، یعنی مختلف ہاتھوں میں گردش کرتا رہے، آتا رہے، جاتا رہے، وہ خواہ کتنا ہی وافر کیوں نہ ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمت ہے، جس کا شکر اللہ کے حکم کے مطابق اس کا اظہار یعنی خرچ کرنا ہی ہے، ارشاد ہے: ”وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ“ اور ارشاد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق وہ اکتسابِ خیرات وحسنات کے لیے بہترین معاون ہے، ارشاد ہے: ”نعم العون المال الحلال“۔(الحدیث)

اسلام حکومت کو بھی اکتنازِ زر کی اجازت نہیں دیتا، چنانچہ محاربات میں حاصل شدہ دشمنوں کے

اموال...... مال غنیمت...... کو بھی...... جو بظاہر خالص حکومت کی آمدنیاں ہیں...... دوسرے عام انفاقات کی طرح غانمین اور فقراء ومساکین وغیرہ پر تقسیم کر دینے کا حکم دیتا ہے، قرآن عزیز کا حکم ہے:

''وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ''۔ (الانفال:۴۱)

ترجمہ:... ''اور یاد رکھو! جو کچھ بھی تم کو مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور رسول کے قرابت داروں کے واسطے اور یتیموں محتاجوں اور مسافروں کے واسطے ہے''۔

چنانچہ کل مال غنیمت کے چار حصے غانمین...... شریک جنگ مجاہدین...... کے ہوتے ہیں اور پانچواں حصہ مذکورہ بالا مدات میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اور نہ ہی چند دولت مندوں کو مزید دولت مند بنانے کا اختیار دیتا ہے، چنانچہ مال فئے ۔۔۔ بغیر جنگ کیے دشمنوں کے حاصل شدہ اموال کو مستحقین پر تقسیم کرنے کے حکم کے ذیل میں انجمادِ دولت کے خطرہ سے قرآن عظیم نے ذیل کے الفاظ میں متنبہ فرمایا ہے:

''وَمَا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰهِ وِلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وِ الْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ

ترجمہ:... ''اور جو مال اللہ نے بستی والوں سے بغیر جنگ کیے اپنے رسول کو پہنچایا، پس وہ اللہ کے واسطے، رسول کے واسطے اور اس کے قرابت داروں کے واسطے ہے اور یتیموں کے محتاجوں کے، مسافروں کے واسطے ہے، تاکہ مال تم میں سے (صرف) وہ دولت مندوں کے درمیان ہی آنے جانے والا نہ ہو جائے''۔

انفاق کے دو مرتبے:

اس انفاق فی سبیل اللہ...... اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرتے رہنے...... کے دو درجے ہیں: ایک ادنیٰ، جس کے بعد جمع شدہ مال شرعاً کنز نہیں رہتا۔ دوسرا اعلیٰ جو عنداللہ مطلوب ہے۔ ادنیٰ درجہ کو حدیث شریف میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

''کل مال ادی زکاته فهو لیس بکنز''۔ (ترمذی، جلد اول)

ترجمہ:... ''ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی، وہ کنز نہیں ہے''۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اس کی تفصیل ہم زکوٰۃ کے ذیل میں بیان کریں گے۔

اعلیٰ مرتبہ کو قرآن حکیم میں بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ"۔(البقرۃ:۲۱۹)

ترجمہ:... "(اے نبی!) وہ تم سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا (یعنی کتنا) مال خرچ کریں؟ تم کہہ دو زائد مال (خرچ کرو)"۔

باتفاقِ مفسرین صاحب مال کی حاجاتِ اصلیہ سے فاضل مال "عفو" کا مصداق ہے۔ انسان کی حاجاتِ اصلیہ کی تشخیص بھی قرآن عزیز میں بیان فرمائی ہے:

۱:... حدِ اعتدال میں رہ کر حسبِ حال جائز زینت وآرائش کا سامان اور حلال ولذیذ غذائیں اور مشروبات

ارشاد ہے:

۱:...قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ اُخْرِجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ"۔(الاعراف:۳۲)

ترجمہ:... "(اے نبی!) تم کہہ دو، کس نے حرام کیا ہے اللہ کی (دی ہوئی) زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی ہے اور حلال وعمدہ کھانے (پینے) کی چیزوں کو"۔

۲:...یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ وَّکُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَاتُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَایُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ"۔(الاعراف:۳۱)

ترجمہ:... "اے اولادِ آدم! لے لو اپنی آرائش (کے لباس) کو ہر نماز کے وقت اور کھاؤ پیو اور (اس میں) بے جا خرچ مت کرو، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا بے جا خرچ کرنے والوں کو"۔

۳:...فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلَالًا طَیِّبًا وَّاشْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ"۔ (النحل:۱۱۴)

ترجمہ:... "پس جو حلال وطیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے، اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو"۔

۲:... ستر پوش اور باوقار، سردی گرمی سے بچانے والا حسبِ ضرورت لباس

ارشاد ہے:

۱:...یَا بَنِیْ آدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْآتِکُمْ وَرِیْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ"۔ (الاعراف:۲۶)

ترجمہ:... "اے آدم کی اولاد! ہم نے اتاری تم پر پوشاک جو چھپائے تمہاری شرمگاہوں کو اور زینت کا لباس اور پرہیزگاری کا لباس تو سب سے بہتر ہے"۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۲:...وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَأسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ"(النحل:۸۱)

ترجمہ:... ''اور (اللہ نے) بنادیئے تمہارے کرتے جو بچاتے ہیں تم کو گرمی (سردی) سے اور ایسے کرتے (زرہیں) جو بچاتے ہیں تم کو لڑائی میں، اسی طرح اللہ پورا کرتا ہے تم پر اپنا انعام، تاکہ تم فرمانبرداری کرو''۔

۳:... حسبِ ضرورت رہنے کے لیے مکان اور اثاث البیت

ا:...وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَناً وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتاً تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَا اَثَاثاً وَّمَتَاعاً إِلٰى حِيْنٍ". (النحل:۸۰)

ترجمہ:... ''اور اللہ نے بنادیئے تمہارے گھر تمہارے مسکن اور بنادیئے چوپایوں کی کھالوں کے گھر (چرمی خیمے) جو تم آسانی سے اٹھالیتے ہو جب سفر میں ہوتے ہو اور جب قیام کی حالت میں ہو اور بھیڑوں کی اون سے اور اونٹوں کی پشم سے اور بکریوں کے بالوں سے گھروں کا سامان اور استعمال کی چیزیں تاحین حیات''۔

قرآن حکیم کی یہ چند آیات بطور'' گلے از گلزارے'' ہم نے انتخاب کی ہیں، ان آیات میں انسان کی تین مسلمہ بنیادی ضرورتوں: ا:......غذا، ۲:......لباس، ۳:......مسکن......مکان......اور ان کے لوازمات سے حسبِ استطاعت انتفاع کا حکم فرمایا ہے، بشرطیکہ اس میں اسراف......فضول خرچی......نہ ہو۔

عفو وفاضل مال کی تعریف:

قرآن وحدیث کی تفصیلی تعلیمات کی روشنی میں علماء نے فرمایا ہے کہ ہر شخص کے حرفہ، معاشی مشغلہ اور منصب کے اعتبار سے حدِ اعتدال میں رہ کر مذکورہ بالا ہر سہ ضروریات اور ان کے لوازمات ہر شخص کی حوائج اصلیہ ہیں۔ حال ومآل کے اعتبار سے جس قدر مال ان کے لیے ضروری ہو، اس سے جو مال ودولت فاضل ہو وہ عفو کا مصداق ہے۔ اس کو اللہ جل مجدہٗ کے تجویز کردہ مصارف ومدات میں خرچ کرتے رہنا انفاق فی سبیل اللہ کا اعلیٰ مرتبہ اور عند اللہ مطلوب ہے، اسی کے ذریعہ نظامِ معیشت اکتنازِ زر کے خطرہ سے قطعی طور پر محفوظ ومامون رہتا ہے، صحیح مسلم میں حدیث قدسی میں آیا ہے:

''قال اللّٰہ تعالیٰ: ابن آدم اَنفق اُنفق علیک وقال یمین اللّٰہ ملایٰ سحاء لایغیضھا شیء اللیل والنھار''(مسلم، ج:۱، ص:۳۲۶)

ترجمہ:... ’’اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم کی اولاد! تو (جو میں نے دیا ہے) خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہے، رات دن برس رہا ہے‘‘۔

نبی رحمت احضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہیں:

’’انفقی ولاتحصی فیحصی اللّٰہ علیک ولاتوعی فیوعی اللّٰہ علیک‘‘. (مسلم، ج:۱، ص:۳۳۱)

ترجمہ:... ’’تم خرچ کیے جاؤ اور شمار نہ کرو کہ اللہ تم پر شمار کرنے لگے اور تھیلیوں میں جمع کر کے مت رکھو کہ اللہ بھی اپنی تھیلی کا منہ بند کرلے‘‘۔

مصارف ومداتِ انفاق:

قرآن حکیم نے اس انفاق کے مصارف ومدات بھی تجویز فرمادی ہیں، مگر یہ مصارفِ انفاق یقیناً مصارفِ زکوٰۃ کے علاوہ ہیں، اس لیے کہ مصارفِ زکوٰۃ وصدقات تو ’’اِنما الصدقات‘‘ کے عنوان سے قرآن حکیم نے مستقل طور پر بیان فرمائے ہیں۔ وجوہِ فرق زکوٰۃ کی بحث میں آتے ہیں۔

۱-ماں باپ، ۲-قرابت دار، ۳-یتیم، ۴-مسکین، ۵-مسافر، ۶-عام مصارفِ خیر

مقدارِ انفاق اور مصارفِ انفاق کے ذیل میں ارشاد ہے:

’’یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْأَقْرَبِیْنَ وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَإِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ‘‘. (البقرۃ:۲۱۵)

ترجمہ:... ’’وہ تم سے دریافت کرتے ہیں: ہم کیا خرچ کریں؟ تم ان سے کہہ دو: جو مال بھی تم خرچ کرو تو وہ ماں باپ کے لیے اور قریب تر رشتہ داروں کے لیے، یتیموں محتاجوں، مسافروں کے لیے (خرچ کرو) اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو، اللہ اس کو خوب جانتا ہے‘‘۔

۷-سائل، ۸-غیر مستطیع مدیون

انواعِ بر کے ذیل میں ارشاد ہے:

’’وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّائِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ‘‘ (البقرہ:۱۷۷)

ترجمہ:... ’’اور مال دے اس کی محبت کے باوجود، رشتہ داروں کو، یتیموں کو محتاجوں کو، مسافروں کو اور

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں‘‘۔

واضح ہو کہ اس آیت کریمہ میں یہ انفاق زکوٰۃ کے علاوہ ہے، اس لیے کہ اداءِ زکوٰۃ کا ذکر تو اسی آیت میں مستقل عنوان ’’وآتی الزکوٰۃ‘‘ کے تحت فرمایا ہے۔

۹-ہمسایہ قریب، ۱۰-ہمسایہ بعید، ۱۱-شریک حرفہ، ۱۲-مملوک غلام کنیز

اس انفاق کا درجہ اللہ کی عبادت کے بعد ہے، ارشاد ہے:

’’وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئاً وَّبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً وَّبِذِیْ الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْجَارِ ذِیْ الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ إِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالاً فَخُوْرًا۔

ترجمہ:… ’’اور عبادت کرو اللہ کی اور شریک مت کرو اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور قرابت داروں کے ساتھ، یتیموں محتاجوں کے ساتھ اور پاس کے پڑوسی کے اور دور کے پڑوسی کے ساتھ اور پاس بیٹھنے والے (شریک حرفہ) کے ساتھ اور مسافروں اور جن کے تم مالک ہو (غلام کنیز یا نوکر خادم) ان کے ساتھ، بیشک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والے، شیخی مارنے والے لوگوں کو‘‘۔(النساء:۳۶)

۱۳-بیوی، ۱۴-اولاد

شوہروں کو بیویوں پر فوقیت حاصل ہونے کی ایک وجہ معاشی کفالت ہے، ارشاد ہے:

ا:… ’’اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلٰی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ‘‘۔(النساء:۳۴)

ترجمہ:… ’’مرد حاکم ہیں عورتوں پر، اس لیے کہ بڑائی دی اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) اور اس لیے کہ وہ (مرد) خرچ کرتے ہیں ان پر اپنے مال‘‘۔

۲:… ’’وَعَلٰی الْمَوْلُوْدِ لَہٗ رِزْقُھُنَّ وَکِسْوَتُھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ‘‘. (البقرۃ:۲۳۳)

ترجمہ:… ’’اور جس کا بچہ ہے، اس کے ذمہ ہے ان (دودھ پلانے والیوں) کی خوراک اور لباس (کا خرچ)‘‘۔

۱۵-حرب ودفاع ورفاہِ عامہ

قرآن حکیم سامانِ حرب ودفاع وغیرہ پر اموال خرچ نہ کرنے کو اپنے ہاتھوں اپنی موت بلانے کے مرادف قرار

دیتا ہے، ارشاد ہے:

"وَاَنفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَاتُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ إِلَی التَّھْلُکَۃِ"۔ (البقرۃ:۱۹۵)

ترجمہ:... "اور اللہ کی راہ میں (لڑائی میں) خرچ کرو اور اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں مت ڈالو"۔

۶۱-سائل، ۷۱-غیر سائل

قرآن کریم انسان کے مال میں سائل وغیر سائل ہر دو کا حق تجویز کرتا ہے:

"وَفِیْ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"۔ (الذاریات:۱۹)

ترجمہ:... "اور ان (اللہ سے ڈرنے والوں) کے اموال میں حصہ ہے: مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (ضرورت مندوں) کا"۔

نیز مانگنے والے باحمیت ضرورت مند کو مانگنے والے پر ترجیح دیتا ہے اور اربابِ اموال کو ایسے غیور ضرورت مندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے، ارشاد ہے:

"لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْباً فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمَاھُمْ لَا یَسْاَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً"۔ (البقرۃ:۲۷۳)

ترجمہ:... "(وہ صدقات وخیرات) ان ضرورت مندوں کے لیے ہیں جو اللہ کی راہ میں روک دیئے گئے ہیں (اپنی زندگی اللہ کے لیے وقف کردی ہے، اس لیے) وہ زمین میں (کاروبار کے لیے) سفر نہیں کر سکتے، نادان آدمی ان کو غنی سمجھتا ہے، تم ان کے چہروں سے ان کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورت مند ہیں) وہ نہ سوال کرتے ہیں، نہ اصرار"۔

بہرصورت سائل کو جھڑکنے سے سختی کے ساتھ منع فرماتا ہے، بلکہ حکم دیتا ہے کہ اگر اللہ نے تم کو وسعت دی ہے تو اس کی ضرورت پوری کرکے شکرِ نعمت ادا کرو، ورنہ نرمی سے معذرت کردو، ارشاد ہے:

۱:... "وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ"۔ (الضحیٰ:۱۰،۱۱)

ترجمہ:... "مانگنے والے کو مت جھڑکو اور اپنے پروردگار کی نعمت کا اظہار کرو"۔

۲:... "قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَۃٌ خَیْرٌ مِّنْ صَدَقَۃٍ یَّتْبَعُھَا اَذًی وَاللّٰہُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ"۔ (البقرۃ:۲۶۳)

ترجمہ:... "بھلی بات کہہ دینا اور (سائل کی ترش کلامی کو) معاف کردینا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ایذارسانی ہو"۔ (باقی آئندہ)

اَلاجازات الهندية وتراجم علمائها

کتبِ اثبات میں ایک منفرد اور قابلِ قدر اضافہ

مولانا محمد یاسر عبداللہ

علومِ حدیث کا محور، احادیث کی اسانید اور متون ہیں، یہ علوم ان دو امور کے گرد گھومتے ہیں، اور اسانید سے متعلق متنوع علوم میں سے ایک مستقل علم ''معرفة الإسناد العالي والنازل'' کے عنوان سے کتبِ مصطلح میں ذکر کیا جاتا ہے، اور اس کی مناسبت سے مشائخ کی اسانید کو یکجا کرنے کا معمول بھی محدثین کے ہاں چلا آرہا ہے، اس موضوع پر مرتب کردہ کتب کی کثرت کی بنا پر بلا مبالغہ مستقل کتب خانہ تیار ہو چکا ہے، جو گلہائے رنگا رنگ سے مزین گلستان کی مانند طلبہ علومِ حدیث کو ہر دم خوشہ چینی کی دعوت دیتا ہے۔

''علم الاثبات'' کا مختصر تعارف:

علامہ محمد عبدالحی کتانی رحمہ اللہ (۱۳۸۲ھ) اپنی شہرہ آفاق کتاب ''فهرس الفهارس والاثبات ومعجم المعاجم والمشيخات'' میں رقم طراز ہیں:

''تتبع وتلاش کے بعد یہ واضح ہوا کہ قدماء ایسے جز کو ''اَلْمَشِيخَةُ'' کہا کرتے تھے، جس میں کوئی محدث اپنے اساتذہ ومشائخ کے نام اور ان کی مرویات درج کرتا، بعد ازاں اسے ''اَلْمُعْجَمُ'' کہا جانے لگا، کیونکہ ان اجزا میں مشائخ کے ناموں کو حروفِ معجم (حروفِ تہجی) کی ترتیب پر ذکر کیا جاتا تھا، یوں ''اَلْمَشِيخَاتُ'' کے ساتھ ساتھ ''اَلْمَعَاجِمُ'' کا استعمال بھی بکثرت ہونے لگا۔ اہلِ اندلس ایسے جز کے لیے لفظ ''بَرْنَامِجُ'' استعمال کرتے ہیں، آخری ادوار میں اہلِ مشرق ایسی کتاب کو ''ثَبَتُ'' کہتے ہیں، جبکہ اہلِ مغرب اب اسے ''اَلْفِهْرِسَةُ'' کہا کرتے ہیں۔'' (۱)

''الإجازات الهندية وتراجم علمائها'' کی تالیف کا پس منظر:

پیشِ نگاہ کتاب اس ذخیرہ میں ایک عمدہ اور مفید تر اضافہ ہے، سات جلدوں اور لگ بھگ ساڑھے چار ہزار صفحات پر مشتمل یہ کتاب بحرین کے نامور محقق عالم شیخ نظام بن محمد یعقوبی حفظہ اللہ کے اہتمام سے حال ہی میں ''دارالمحدّث'' ریاض سے شائع ہوئی ہے۔ کتاب کے جواں سال مولف شیخ عمر بن محمد سراج حبیب اللہ حفظہ اللہ نے

مقدمہ میں اس کی تالیف کا پس منظر کچھ یوں ذکر کیا ہے:

''کئی سالوں سے میرے ذہن میں یہ خیال پروان چڑھ رہا تھا کہ عالمِ اسلام کے مختلف حصوں سے متعلق اجازاتِ حدیث اور ان میں مذکور شخصیات کے احوال یکجا کیے جانے چاہئیں، اس وقت بالکل یہ خیال نہ تھا کہ میں خود اس موضوع کے کسی حصے کو متعین کر کے اس پر محنت کروں۔ بس یونہی سوچتا تھا کہ عالمِ اسلام کے ہر خطے میں تحقیقی مزاج کے حامل مسندین کی ایک جماعت کو اپنے خطے کی اسانید یکجا کر کے ان کی تحقیق اور ضبط کے پہلو بہ پہلو اُن میں سے عالی سندوں کو ممتاز کرنا چاہیے اور تمام اسانید میں درج اشخاص کے احوالِ زندگی قلم بند کرنے چاہئیں، یوں بعض سندوں کے اتصال کے حوالے سے بہت سی اُلجھنیں حل ہوں گی، نیز شیوخِ روایت اور مشائخِ درایت کے درمیان اتصال کے تئیں پیدا ہونے والا خلط بھی واضح ہوگا، اسنادِ روایت اور اسنادِ تصوف کے درمیان امتیاز ہوگا اور تصوف کے سلسلہ میں صحبت اور خلافت کے درمیان اختلاط بھی کھل کر سامنے آجائے گا، مزید براں اجازاتِ عامہ وخاصہ اور اجازاتِ معینہ (خاص شخصیات کو اجازت یا مخصوص کتب کی اجازت) اور اجازاتِ اہلِ زمانہ (تمام اہلِ زمانہ کو اجازت) کے درمیان فرق بھی واضح ہوگا۔ چار برس سے زیادہ ہوئے کہ بنامِ خدا میں نے ہندوپاک کی اجازاتِ حدیث جمع کرنا شروع کیں، کیونکہ کتبِ سبعہ (بظاہر کتبِ ستہ اور موطا مالک مراد ہیں) وغیرہ کی سماعی سندوں (جن میں تلامذہ کو اپنے مشائخ سے قرائت وسماع حاصل ہو) کا مدار انہی ہندی سندوں پر ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ دواوینِ سنت کی حفاظت کا سلسلہ اب انہی سندوں میں سمٹ آیا ہے۔''(۲)

علمی دنیا میں ارضِ ہند کی تاریخی اہمیت:

شیخ محمد رشید رضا رحمہ اللہ ''مفتاح کنوز السنۃ'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''اس زمانے میں اگر علمائے ہند، علومِ حدیث کی جانب توجہ نہ فرماتے تو مشرقی ممالک میں ان علوم کا خاتمہ ہو چکا ہوتا، کیونکہ مصر وشام، اور عراق وحجاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ سلسلہ کمزور پڑ گیا تھا، جو چودھویں صدی کی ابتدا میں انتہائی ضعیف ہو چلا تھا۔''(۳)

ادیبِ اریب شیخ علی طنطاوی رحمہ اللہ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی آپ بیتی، بلکہ جگ بیتی ''فی مسیرۃ الحیاۃ'' کے مقدمہ میں بجا طور پر لکھا ہے:

''ہم (علمائے عرب) میں سے بیشتر لوگ ہندوستان کی تاریخ سے ناواقف ہیں۔ تاریخِ ہند، عالمِ اسلام کی عمومی تاریخ میں چوتھائی حصہ رکھتی ہے، اس لیے کہ ہم (مسلمانوں) نے اس ہندی خطے میں لگ بھگ ایک ہزار سال تک

حکومت کی ہے، کسی زمانے میں پورا ہندوستان ہمارا تھا اور ہم ہی اس کے حکمران تھے، اگر اسپین میں ہم نے اندلس کو گنوایا ہے تو اس خطے میں اس سے بڑا اندلس ہمارے ہاتھ میں تھا، اگر ہم نے اندلس میں شہداء کے (خون سے رنگین) ٹیلے اور سورماؤں کے خون کی ندیاں چھوڑی ہیں تو ہندوستان میں اندلس سے کئی گنا زیادہ یادگاریں چھوڑیں ہیں، اگر اندلس میں مسجدِ قرطبہ اور قصرِ حمراء تھا تو ہندوستان کے چپے چپے میں ہمارا پاکیزہ خون گرا ہے، ایک اعلیٰ تہذیب جس کے اطراف وجوانب، علم وانصاف اور کارناموں اور شجاعتوں سے مزین ہیں، یہاں ہمارے مدارس ومعاہد تھے، جنہوں نے نجانے کتنی عقلوں کو روشن کیا! اور اب تک وہ دلوں کو کشادہ کر رہے اور دانش وبینش کو منوّر کر رہے ہیں! یہاں کے ہمارے آثار اپنے جلال وجمال میں قصرِ حمراء سے فائق ہیں، صرف ایک ''تاج محل'' ہی کافی ہے، جو اس روئے زمین کی سب سے خوب صورت تعمیر ہے۔'' (۴)

علمائے ہند کے تراجم واحوال سے قلتِ اعتنا:

خطہ ہند کی اس قدر اہمیت کے باوجود عربی مآخذ میں یہاں کے اہلِ علم اور مختلف مسالک سے وابستہ رجالِ علم کے تذکرے بہت کم ملتے ہیں، اس بنا پر مؤلف (جو عمری الاصل ہیں، ان کے اجداد ہندوستان میں رہ چکے ہیں، پھر حجاز میں منتقل ہوئے ہیں، مولف، عالمِ عربی میں پلے بڑھے، وہیں نشو ونما اور تعلیم وتربیت پائی ہے، لیکن ان کے مشائخ میں بہت سے ہندی علماء بھی ہیں، اس لیے انہوں) نے اپنے مشائخ سے وفا کا تقاضا نبھاتے ہوئے اس کام کا بیڑا اُٹھایا۔ ان کا مقصد استیعاب کا دعویٰ کیے بغیر اپنی وسعت کے مطابق علمائے ہند کی اجازاتِ حدیث کو ایک کتاب میں یکجا کر کے ان کی روشنی میں ان کی مقروءات ومسموعات (مشائخ کے سامنے پڑھی یا سنی گئی احادیث، اور کتب ورسائل) کی تعیین کرنا ہے۔ یہ دوسرا نکتہ اس لیے بھی اہم ہے کہ عام طور پر کتبِ اَثبات میں اسانید کی تو بہتات ہوتی ہے، لیکن بہت کم ہی متعین ہو پاتا ہے کہ صاحبِ ثبت نے کون کون سی کتب کن مشائخ سے پڑھی یا سنی ہیں؟ محدثین واصولیین نے کتبِ مصطلح واُصول میں علمِ حدیث کے حصول کے جو مختلف طریقے تحریر فرمائے ہیں، ان میں سے ایک نوع ''اجازت'' بھی ہے، لیکن اس کا درجہ ''القرائة علی الشیخ'' (استاذ کے سامنے شاگرد کا پڑھنا) اور ''السماع من لفظ الشیخ'' (شاگرد کا استاذ سے سننا) سے بعد کا ہے۔ قراءت وسماع کے متعدد فوائد ذکر کیے گئے ہیں، جن میں ایک اہم فائدہ احادیث کا درست ضبط بھی ہے۔

کتاب کا منہج:

مولف کے بیان کی روشنی میں کتاب کا منہج درجِ ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے:

۱......مولف نے ایسی خطی اور طبع شدہ اجازاتِ حدیث کو یکجا کرنے کی تگ ودو کی ہے، جن کی کسی ایک جانب میں کوئی ہندی عالم ہوں، اور حسبِ استطاعت ان کی عبارات کی تصحیح کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے بیشتر اجازات اب تک شائع نہیں ہوئیں۔ نیز ''ہند'' سے ان کی مراد تقسیم سے پہلے برصغیر میں داخل پورا خطہ ہے، جس میں موجودہ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، بھوٹان اور نیپال شامل ہیں۔

۲......بلادِ سندھ کی اجازات اس مجموعے سے مستثنا ہیں، اس لیے کہ سندھ اور ہند کے درمیان تاریخی اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے، مولف کے بقول بلادِ سندھ کی اجازات کے متعلق معروف محقق عالم مولانا ڈاکٹر محمد ادریس سومرو مدظلہم کچھ ایسا ہی کام کر رہے ہیں، اللہ کرے کہ وہ کام بھی جلد پایہ تکمیل کو پہنچے اور شائع ہو کر اہلِ علم کے ہاتھوں میں آئے۔

۳......اس مجموعہ میں سنہ ۹۹۹ھ سے ۱۳۹۹ھ تک گزشتہ چار صدیوں کی منتخب اجازات کو برعکس زمانی ترتیب کے مطابق ذکر کیا گیا ہے، یعنی مولف ۱۳۹۹ھ سے پیچھے چلتے گئے ہیں، چنانچہ کتاب میں درج پہلی اجازتِ حدیث' حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ (۱۴۰۲ھ) کے قلم سے مولانا محمد عاشق الٰہی مدنی رحمہ اللہ (۱۴۲۲ھ) کے لیے تحریر کردہ ہے، اور آخری اجازتِ حدیث، علامہ عبدالوہاب متقی رحمہ اللہ (۱۰۱۲ھ) کی جانب سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ (۱۰۵۲ھ) کے لیے تحریر کردہ ہے۔

۴......مولف نے محض روایتِ حدیث سے متعلق امور پر حواشی وتعلیقات قلم بند کی ہیں، اور حتی الامکان کتاب کے موضوع سے خارج ہونے سے گریز کیا ہے۔ کہیں کہیں سنِ ولادت ووفات کی توثیق کی غرض سے متعلقہ شخصیات کی قبروں کی تصاویر اور دیگر شواہد درج کیے ہیں۔ نیز کتبِ حدیث کے علاوہ دیگر اجازاتِ خاصہ (کسی متعین شخصیت کو اجازت یا متعین کتاب یا کتب کی اجازت) سے اجتناب کیا ہے، مثلاً: خالص فقہی اجازات، یا اَوراد واذکار اور سلاسلِ صوفیہ سے متعلق اجازات وغیرہ؛ کیونکہ یہ امور' کتاب کے موضوع سے خارج ہیں، تاہم کسی اضافی فائدہ کی بنا پر کہیں اس نوعیت کی اجازتوں کا ضمنی تذکرہ آیا ہے۔

۵......دست یاب مآخذ کی روشنی میں ''مُجیز'' (اجازت دینے والے شیخ) اور ''مُجاز'' (جن کو اجازت دی گئی ہو) کے حالاتِ زندگی، طوالت اور اختصار سے پہلوتہی کرتے ہوئے متوسط اسلوب میں لکھے گئے ہیں، نیز اجازات کے ضمن میں مذکور ایسے علمائے ہند، جن کے حالات مستقل طور پر کہیں نہیں ملتے، متعلقہ اجازتِ حدیث کے بعد ان کے حالات تحریر کیے گئے ہیں۔ کسی شخصیت کے حالات لکھتے ہوئے تاریخی امانت کا لحاظ رکھا گیا اور جانب داری سے گریز کیا گیا ہے، البتہ مولف کے بقول: ''تمام مندرجات سے ان کا اتفاق ضروری نہیں۔''

۶......کتاب میں محض ہندوستانی مشائخِ روایت وحدیث کے حالات یکجا کیے گئے ہیں، دیگر کتب کے مشائخ میں

سے بیشتر کے حالات' مآخذ کی کمیابی اور تحقیق کی مشکلات کی بنا پر تحریر نہیں کیے گئے، البتہ ایسے مشائخ مستثنا ہیں، جن کے حالات کے متعلق وافر مآخذ دست یاب ہیں، یا مشائخِ حدیث کی سندوں کے ضمن میں جن کا تذکرہ آیا ہے۔

۷...... ہر شخصیت کے احوال کے آخر میں مولف نے ان سے اپنی سند کا اتصال ذکر کر دیا ہے، البتہ اس موقع پر ان سے متصل تمام اَسانید ذکر کرنے کے بجائے اکثر جگہوں پر بعض زندہ مشائخ کے تذکرہ پر اکتفا کیا ہے، اس سے مقصود محض ان سے اتصال کی نشان دہی کرانا ہے، اپنے مشائخ کی فہرست سازی پیشِ نظر نہیں۔

۸...... محققین کی سہولت اور انقلاباتِ زمانہ کی دَست برد سے حفاظت کی غرض سے خطی اجازات کی تصاویر بھی کتاب میں شامل کر دی گئی ہیں۔(۵)

کتاب کے مضامین پر ایک طائرانہ نظر:

یہ کتاب سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد کی ابتدا میں عالمِ عربی کے معروف محقق عالم شیخ نظام محمد صالح یعقوبی عباسی حفظہ اللہ کا تین صفحات پر مشتمل مقدمہ ہے، اس کے بعد مولف کا مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے کتاب کا منہج ذکر کیا ہے، بعد ازاں مولف نے ''تمہید'' کے عنوان سے ہندوستان کے مدارس کے اسلوبِ تدریس کا تاریخی جائزہ لیا ہے اور پانچ بڑے جامعات (دارالعلوم دیوبند، جامعہ مظاہرِ علوم سہارن پور، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، دارالعلوم ندوۃ العلما اور جامعہ سلفیہ بنارس) کے نصاب درج کیے ہیں، جن سے اس خطے میں زیرِ تدریس کتبِ قراء ت وسماع کا کچھ خاکہ سامنے آ گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد کتاب کا اصل مضمون شروع کیا گیا ہے، کتاب میں پانچ سو کے لگ بھگ اجازاتِ حدیث کی عبارات' ضبط وتحقیق کے ساتھ درج کی گئی ہیں، نیز اس ضمن میں متن وحواشی میں لگ بھگ پونے سات سو مشائخ کے حالاتِ زندگی قلم بند کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں تین ضمیمے ہیں:

۱......:- پہلے ضمیمہ میں بارہ (۱۲) استدعاءات (مشائخ سے اجازتِ حدیث حاصل کرنے کے لیے لکھی گئی تحریریں)، استدعاءات کے یہ نمونے بھی علومِ حدیث کے طلبہ کے لیے خاصے کی شے ہیں۔

۲......:- دوسرے ضمیمہ میں کتاب پر کچھ استدراکات ہیں، جن میں علامہ عبدالقادر طرابلسی رحمہ اللہ (۱۳۱۶ھ) کے احوالِ زندگی اور کچھ اجازاتِ حدیث کے عکس ہیں، جو کتاب میں درج ہونے سے رہ گئی تھیں۔

۳......:- تیسرے ضمیمہ میں ہندوستان کی چند مشہور اسانیدِ حدیث کے شجرے ذکر کیے گئے ہیں۔

بعد ازاں حروفِ تہجی کی ترتیب پر عربی کے (۳۰۲)، اردو اور فارسی کے (۱۳۵) اُن اہم مآخذ ومصادر کا ذکر کیا گیا

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

ہے،جن سے اس کتاب کی تالیف کے دوران استفادہ کیا گیا ہے۔کہا جاتا ہے:''**اَلْفَهَارِسُ مَفَاتِيحُ الْكِتَابِ**'' (کتاب کے آخر میں درج فہرستیں، کتاب کے لیےکلید کی حیثیت رکھتی ہیں)،اس بنا پر کتاب سے استفادہ آسان کرنے کی غرض سے آخر میں کئی فہرستیں مرتب کی گئیں ہیں،جن کے عنوانات حسبِ ذیل ہیں:

۱:......**فهرس الآيات**۔ ۲:......**فهرس الاحاديث والآثار**۔۳:......**فهرس الابيات**۔۴:...... **فهرس الكتب**:یعنی ان کتابوں کے نام،جن کا کسی مناسبت سے کتاب میں ذکر آیا ہے۔۵:......**فهرس الاعلام المترجم لهم**:یعنی ان شخصیات کے ناموں کی فہرست،جن کے حالاتِ زندگی کتاب کے متن یا حواشی میں درج کیے گئے ہیں۔۶:......**الفهرس العام للاعلام**:کتاب میں مذکور شخصیات کے ناموں کی عمومی فہرست۔۷:**فهرس المواضيع**:یعنی کتاب کے موضوعات کی فہرست۔......یہ تمام فہرستیں کتاب کی ساتویں اور آخری جلد کی انتہا میں ہیں،اور صفحہ نمبر بھی پہلی سے آخری جلد تک تسلسل کے ساتھ لگائے گئے ہیں۔

مشاہیر علمائے پاک و ہند کی اجازات وتراجم:

سابقہ تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ اس کتاب میں وسیع پیمانے پر گزشتہ ساڑھے چار صدیوں کے علمائے ہند کی اجازاتِ حدیث اور احوالِ زندگی درج کیے گئے ہیں،جن میں علمائے دیوبند کی ایک معتد بہ تعداد بھی شامل ہے،ذیل میں دیوبند کے علمی سلسلے سے وابستہ ایسی اہم شخصیات کے اسمائے گرامی درج کیے جارہے ہیں،جن کا اس کتاب میں ذکر ہے،لیکن اس تذکرہ میں ترتیبِ رتبی کے بجائے کتاب کی ترتیب کی رعایت کی گئی ہے:

مولانا محمد زکریا کاندھلوی،مولانا عاشق الٰہی مدنی،مولانا سید محمد یوسف بنوری،مولانا تقی الدین ندوی،مولانا ظفر احمد عثمانی،مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی،مفتی محمد شفیع،مولانا ابوالوفا افغانی،مولانا محمد عبدالرشید نعمانی،مولانا فضل اللہ جیلانی،مولانا قاری محمد طیب قاسمی،مولانا محمد ابراہیم بلیاوی،مولانا فخر الدین مرادآبادی،مولانا مفتی مہدی حسن شاہ جہان پوری،مولانا احمد علی لاہوری،مولانا محمد ادریس کاندھلوی،مولانا سید حسین احمد مدنی،مولانا نصیر احمد خان،مولانا اشرف علی تھانوی،مولانا عبیداللہ سندھی،شیخہ امۃ اللہ بنت شاہ عبدالغنی مجددی،مولانا محمد انور شاہ کشمیری،مولانا خلیل احمد سہارن پوری،مولانا بدر عالم میرٹھی،مولانا رشید احمد گنگوہی،مولانا محمود حسن دیوبندی،مولانا ظہیر احسن نیموی، مولانا رحمت اللہ کیرانوی،مولانا محمد عبدالحی لکھنوی،مولانا شاہ عبدالغنی مجددی،مولانا محمد قاسم نانوتوی،مولانا احمد علی سہارن پوری،مولانا قاری عبدالرحمٰن پانی پتی،مولانا محمد عبدالحلیم لکھنوی،شاہ محمد اسحاق دہلوی،شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی،وغیرہ،رحمہم اللہ تعالیٰ جمیعاً۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

کتاب کے متعلق اہلِ علم کے تاثرات:

۴: شیخ نظام محمد یعقوبی حفظہ اللہ مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''ذخیرہ سنت کی تعلیم وتعلّم اور روایت ودرایت کے سلسلے میں ہمارے جلیل القدر علماء کی نمایاں جدوجہد اور قابلِ قدر کارنامے ہیں، جو نمایاں اسلوب اور دقت رسی پر مبنی علمی منہج کے موافق ہیں، ایسے قواعد وضوابط اور اسالیب کے ضمن میں، جو اس فن کے علماء اور ماہر ناقدین نے ترتیب دیئے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اہلِ اسلام کے اعتنا کے پہلو سے ضرب المثل بن چکے ہیں۔ برِصغیر ہند روئے زمین کے ان مبارک خطوں میں سے ہے، جن کا ان آخری ادوار میں اس پاکیزہ طاقچے اور چشمہ صافی سے زیادہ اعتنا رہا ہے، یہ نمایاں کوششیں اور کاوشیں مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہیں، ان میں سے بعض کے متعلق گفتگو، حدیثِ نبوی کے اہتمام کے تعلق سے خیر وبرکت کی بادو باراں کے ایک قطرے کے بارے گفتگو کی مانند ہے۔ ان مساعی پر نگاہ ڈالنے سے آخری چار صدیوں میں (اہلِ ہند کا) روایت واسناد کے باب سے اعتناء واختصاص ظاہر ہوتا ہے، یہاں تک یہ خطہ روایت واسناد کا مدار بن چکا ہے، طولِ صحبت اور درایت کا اہتمام مزید براں، دیگر خطوں کی اکثر وبیشتر سندوں میں کوئی ایسی سند نہیں، جس پر ہندوستان کا احسان نہ ہو۔ پیشِ نظر کتاب، ''خیر کی پوٹلی''، ''علم کا صحرا'' اور ''عطر فروش کی کپی'' ہے، جس کی جمع وتدوین اور تالیف کا سہرا شیخ فاضل، محققِ مکرم عمر بن محمد سراج حبیب اللہ وفقہ اللہ کے سر سَجا ہے، اور انہوں نے اس جمع وتدوین کے ذریعے ایک ایسے میدان میں چراغ روشن کیا ہے، جو تاریک تھا، اور اس پہلو سے شغف رکھنے والوں اور اہلِ روایت کی تشنہ کامی کا سامان فراہم کیا ہے، اللہ تعالیٰ اس مبارک تالیف کی قدر دانی کے اسباب پیدا فرمائے، اس بابرکت مجموعے میں مزید برکتیں عطا فرمائے، جس نے ہمارے جلیل القدر علما کے کارناموں کو یکجا کر دیا اور مبارک خطہ ہند کی اسانید کے اتصال وتحقیق میں بھی برکت ڈالے۔'' (۶)

۵: شیخ محمد زیاد تُکلہ حفظہ اللہ کتاب پر تبصرہ وتجزیہ کرتے ہوئے قدرے مفصل مضمون میں لکھتے ہیں:

''مجھے انتہائی بے قراری سے اس موسوعہ کے شائع ہونے کا انتظار تھا، کیونکہ ذاتی طور پر اس کی جمع وتالیف کے دوران مولف کی تکان کا علم تھا، انہوں نے اس سلسلے میں اسفار کیے، موصوف کئی برس تھکا دینے والی تحقیق میں مشغول رہے، میں نے (مختلف شخصیات کے) احوال اور متاخرین کی سندوں کے متعلق ان کی ایسی نفیس تحقیقات اور تدقیقات دیکھیں کہ آج کل گنے چنے افراد ہی ایسے عمدہ کام کر سکتے ہیں، یہ فنِ روایت اور اہلِ علم کے احوالِ زندگی کے متعلق موصوف کے تابناک مستقبل کی نوید ہے، اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے، انہیں درست راہ پر گامزن

رکھے، انہیں تقویت بخشے، اور ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ (متعلقہ مواد کے) حصول میں، اسفار میں، عکسوں کے حصول میں، (دیگر زبانوں سے) عربی ترجمہ اور فہرست سازی میں انہوں نے جتنا وقت اور مال صرف کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا کئی گنا بدلہ عطا فرمائے۔ مولف نے کام کے لیے برصغیر ہند کا انتخاب کیا ہے، اور بہت اچھا فیصلہ کیا، اس لیے کہ یہ خطۂ روایتِ حدیثیہ سماعیہ (قراءت وسماع کے ساتھ کتبِ احادیث کی روایت) کا مدار ہے، جو محدثین کے نزدیک عمدہ روایت شمار کی جاتی ہے، اور خدمتِ حدیث، حفظِ اصول، طباعت اور شرحِ احادیث کے پہلوؤں سے (روئے زمین کے) دیگر خطوں سے آگے ہے، لیکن بلادِ ہند کی وسعت، اطراف کے بُعد، یہاں کے بہت سے مآثر کے باہر (کی دنیا میں) نکل جانے، کثرتِ مدارس اور کثرتِ اشخاص کی بنا پر یہ مشکل ترین میدان تھا، مزید براں قلتِ مآخذ (خصوصاً عربی زبان میں) اور کتب خانوں کا انتشار اور بعض مکتبات سے استفادہ کی مشکلات (بھی اس راہ میں حائل تھیں)، البتہ اس موسوعہ کا دورانیہ ساڑھے چار صدیاں ہے۔ کوئی ''عُمَری عزیمت'' (مولف، عُمَری الاصل ہیں) اور ''طَبَری ہمت'' (غالباً ''بحیرہ طبریہ'' کی جانب نسبت مقصود ہے) کا حامل ہی اس نوعیت کے منصوبے کیدَر پے ہوسکتا تھا۔''

بعد ازاں شیخ تکلہ نے کتاب کی خصوصیات قلم بند کی ہیں، جن میں بیشتر نکات اس تحریر میں آچکے ہیں، اس لیے حتی الامکان تکرار ختم کر کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

''ا......: موصوف نے انتہائی جفاکشی کے ساتھ برِصغیر ہند کی صرف اجازاتِ حدیث کی عبارات یکجا کر کے ان کی تحقیق واشاعت کی ہے، اپنی شرط میں کچھ توسیع کر کے انہوں نے اجازت کے دونوں جانب (مُجیز اور مُجاز) میں سے کسی جانب کے ایسے مشائخ کو داخل کیا ہے، جو ہند (وسیع دائرے میں) کی طرف منسوب ہوں، یا اسے وطن بنا کر مقیم رہے ہوں، البتہ بلادِ سندھ کو مستثنا کیا ہے۔

۲......: اجازاتِ حدیث کی تاریخوں کے حوالے سے مولف کی اختیار کردہ نزولی ترتیب اگرچہ عام طور پر کتبِ تراجم میں اختیار نہیں کی جاتی، لیکن مولف کی غرض یہ تھی کہ کبار معاصر مشائخ کا طبقہ بھی اس کتاب میں شامل ہوجائے، یوں اس کتاب میں بہت سی معاصر روایات کی جانب بھی رہبری ہوجائے گی، جس سے طلبہ و محققین فائدہ اُٹھاسکیں گے، بلاشبہ آج کے معاصر امور کل تاریخ کا حصہ ہوں گے۔ قریب زمانے کی تمام اجازات کا احاطہ تو دشوار تھا، اس لیے اہم اجازات یکجا کی گئی ہیں، یوں عملی طور پر کتاب کا دورانیہ چار سو چالیس (۴۴۰) سال ہوگیا ہے، جن میں بلند مرتبہ معاصرین بھی شامل ہوگئے، تاہم اس شرط کے باوجود بلا التزام (کتاب کی شرط سے) خارج بہت سے اُمور اور فوائد بھی کتاب میں درج ہوگئے ہیں۔

۳......: مولف نے بہت سی اجازاتِ حدیث پر حواشی لکھے، اور بہتیری اغلاط واوہام پر تنبیہ کی ہے۔

۴......: درمیانے اسلوب میں ہندی مُجیز ین ومُجاز ین کے احوالِ زندگی لکھے، لیکن اہم بات یہ ہے کہ روایات کی تحقیق کا اہتمام کیا، شیوخِ روایت اور مشائخِ درایت میں امتیاز کیا، مسموعات (سنی گئی کتاب واحادیث) کے ضبط کا اہتمام کیا، متاخرین اہلِ تراجم (''ترجمۃ'' کی جمع، مراد شخصیات کے احوال) بہت کم ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

۵......: کتاب کو سینکڑوں نفیس تاریخی وثیقہ جات سے بھر دیا ہے، جن میں سے اہم اجازاتِ حدیث کے عکس ہیں، جن کی مولف نے تحقیق کی ہے، بہت سے مشائخ، مدارس، عمارتوں، تاریخی شواہد، مکاتیب اور دیگر متعلقہ فوائد کی تصاویر درج کی ہیں، جو تراجم واسانید کے محقق کے لیے اہمیت کی حامل ہیں، ان میں سے بیشتر وثیقہ جات پہلی بار شائع ہورہے ہیں، بہت سے لوگ نہیں جانتے کہ مولف نے بعض مکتبات اور شخصیات سے محض ایک ورق یا وثیقہ کا عکس حاصل کرنے کے لیے ہندوبیرونِ ہند کے اسفار کیے ہیں، ان وثیقہ جات میں اشخاص اور شخصی کتب خانوں کی غیر مشہور اشیاء بھی شامل ہیں۔

۶......: کتاب کا آغاز ایک تمہید سے کیا ہے، جس میں تدریسی مناہج، اور درسِ نظامی کے پھیلنے تک (جو اس خطے میں عام ہو چکا ہے) ہندی مدارس کے نصاب میں شامل اکثر معتمد کتب کا ذکر کیا ہے، کچھ بڑے جامعات کے نصابہائے تعلیم بھی درج کیے ہیں، تاکہ ان کے ذریعے مسموعات کا علم ہو، نیز اس جانب اشارہ کیا ہے کہ ہر جامعہ کے اعتبار سے تکمیل کی سند، پڑھائی کے ساتھ روایتِ عامہ کو بھی شامل ہوتی ہے، بعض جامعات (دارالعلوم دیوبند، مظاہرِ علوم سہارن پور وغیرہ) کی سندوں میں اجازتِ عامہ بھی دی جاتی ہے، جبکہ بعض میں ایسا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس تمہید میں بہت سی دقیق تنبیہات ہیں، جن سے آگاہی ہونی چاہیے۔

۷......: ضمیمہ میں مولف نے ایک اہم کام یہ کیا کہ ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہندی استدعاءات ذکر کیے ہیں، جو انہوں نے ہندوبیرونِ ہند کے پے دَر پے اسفار کے دوران حاصل کیے تھے، ضمناً ان معاصر مُجیز ین کے احوال بھی قلم بند کیے، اور ان کی مرویات کی تحقیق کی ہے۔ اس عمل پر بھی مولف شکریہ کے مستحق ہیں۔ مزید براں انہیں حرص ہے کہ وہ معاصرین اور دوست احباب سے حاصل شدہ فوائد کی انہی کی جانب نسبت کریں، فی زمانہ یہ بہت کمیاب وصف ہے، افسوس کہ اس فن کا کام کرنے والوں میں بھی کم ہی یہ وصف ملتا ہے۔

۸......: مولف' کتاب کی طباعت کے اخیر مرحلے تک اس میں اضافہ وتنقیح کرتے رہے ہیں، چنانچہ آپ کو کتاب میں سنہ ۱۴۴۲ھ کی وفیات بھی ملیں گی، مثلاً: ہمارے شیخ مفتی ثناء اللہ بن عیسیٰ خان مدنی اور شیخ محمد عمر ٹونکی رحمہما اللہ ودیگر مشائخ۔ مولف نے بتایا کہ وہ اب بھی برابر نئی معلومات کی جستجو میں ہیں، اور انہیں مزید حاصل ہوں گی،

ان شاء اللہ! ممکن ہے کہ معتد بہ معلومات ملنے پر وہ اس موسوعہ کا ذیل بھی مرتب کر دیں گے، اور یہ محنت منظرِ عام پر آنے سے بہت سے اعتنا کرنے والوں اور اہلِ ہند کے لیے (معلومات کے) دَرواہوں گے، وہ مولف سے تعاون کریں گے اور انہیں ایسی معلومات ارسال کریں گے جن کے ذریعے کام کی تکمیل ہوگی۔

۹......: کتاب کے آخر میں ایسے معروف عربی مآخذ ذکر کیے ہیں، جن پر مولف نے اعتماد کیا ہے، ان کی تعداد (۳۰۲) ہے، اور اردو و فارسی مآخذ کی تعداد (۱۳۵) ہے۔ بعد ازاں کئی فہرستیں مرتب کی ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا)۔ اس کتاب نے علمائے اسلام سے وابستہ تاریخ وتراجم اور روایت کے پہلو سے بہت بڑا خلا پر کیا ہے، ان علوم سے متعلق کوئی بھی کتب خانہ اس سے خالی نہ رہنا چاہیے، شاید کوئی اسے مبالغہ سمجھے، لیکن معاصرت اور مولف سے جان پہچان مزید کچھ کہنے میں رکاوٹ ہے، جسے اس میدان میں تحقیق کا موقع ملے گا وہ میرے اس کہے کو بھی کم سمجھے گا۔ میں نے بعض دوستوں سے کہا تھا: ''یہ کام متاخر کتبِ روایت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، اور اسے شیخ عبدالحی کتانی کی ''فهرس الفهارس'' کے پہلو میں رکھنا چاہیے، جس کے متعلق ہمارے دوست شیخ احمد عبدالملک عاشور کا کہنا ہے: ''یہ کتاب ''وِرد اهلِ الرواية'' (محدثین کا وظیفہ) ہے۔'' نیز اسے علامہ عبدالحی حسنیؒ کی ''نزهة الخواطر'' (مشاہیرِ ہند پر لکھی گئی معروف کتاب) کے پہلو میں رکھا جانا چاہیے۔'' میں سچ کہتا ہوں: ''اگر یہ کام پہلے شائع ہو جاتا تو سماعات اور (اسانید کی) تحقیقات کے تعلق سے میرے اسنادی کاموں میں مجھے فائدہ ہوتا۔'' (۷)

خلاصہ کلام:

۱......: یہ کتاب برصغیر کے علماء کی لگ بھگ پانچ سو اجازاتِ حدیث اور ان کے ضمن میں پونے سات سو مشائخ کے احوالِ زندگی کا مجموعہ ہے۔

۲......: اس کتاب کی بدولت برصغیر کی پچھلی ساڑھے چار سو سال کی علمی وحدیثی تاریخ کا معتد بہ حصہ محفوظ ہو گیا ہے، جس کے ذریعے اس خطے میں علمِ حدیث کے حوالے سے متنوع خدمات کا اندازہ ہوتا ہے۔

۳......: کتاب میں درج اجازاتِ حدیث اور ان کے عکسوں سے مختلف ادوار کے مشائخِ حدیث کے ہاں اجازتِ حدیث کی عبارات کا تنوُّع سامنے آئے گا۔

۴......: کتاب میں درج خطی اجازاتِ حدیث کے عکسوں کی مدد سے بہت سے اہلِ علم کے خط کی نشان دہی میں سہولت ہوگی۔

۵......: تراجم کے ضمن میں بہت سے ایسے مشائخ کے احوالِ زندگی محفوظ ہو گئے ہیں، جن کے حالات مآخذ کی کمی یا عدمِ دست یابی کی بنا پر مہیا نہیں ہو پاتے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۶......: کتاب میں درج اجازاتِ حدیث کے تنوع کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب علمائے ہند کی ''فہرس الفہارس'' ہے۔

۷......: یہ کتاب علمِ حدیث وسنت اور تراجمِ علمائے ہند سے متعلق ہر کتب خانہ کی زینت بنائے جانے کے قابل اور علومِ حدیث کے طلبہ کرام کی خوشہ چینی کے لائق ہے۔

چند گزارشات:

۱......: کتاب کی تمام فہرستیں، ساتویں اور آخری جلد کی انتہا میں ہیں، اور صفحہ نمبر بھی پہلی سے آخری جلد تک تسلسل کے ساتھ لگائے گئے ہیں، بہتر ہوتا کہ ہر جلد میں مستقل طور پر صفحات کے نمبر درج کیے جاتے، اور آخرالذکر نوعیت کی فہرست بھی ہر جلد کے آخر میں بھی ہوتی تو استفادہ زیادہ آسان ہوتا، نیز کسی متعین شیخ کی اجازت واحوال کے لیے متعلقہ جلد کی فہرست دیکھنا کافی ہوتا اور بار بار آخری جلد کی عام فہرستوں کی مراجعت کی ضرورت پیش نہ آتی:

''وللناس فيما يعشقون مذاهب'' (پسند اپنی اپنی!)۔

۲......: بہتر ہوتا کہ مولف، اجازاتِ حدیث اور اہلِ علم کے تراجم میں سے ہر ایک کے ساتھ مستقل طور پر مسلسل نمبر لکھتے۔

۳......: مولف نے علامہ خیرالدین زِرِکلی رحمہ اللہ کی ''الاعــــلام'' کی پیروی کرتے ہوئے کتاب میں جابجا مشائخ کی تصویریں بھی درج کی ہیں، برصغیر کے اکثر علماء آج بھی جاندار کی پرنٹڈ تصاویر کے عدمِ جواز کا فتوی دیتے اور اسی پر عمل پیرا ہیں، بہتر ہوتا کہ مولف اس حوالے سے اس خطے کے اہلِ علم کی رعایت فرما لیتے۔

بہرکیف اس نوعیت کے طویل موسوعاتی کاموں کا تو کیا کہنا، ہر انسانی عمل میں بہتری کی گنجائش رہتی ہے، اور منصف مزاج شخص ہمیشہ اصلاح وتنبیہ کا خیر مقدم کرتا ہے۔ مولف حفظہ اللہ کی جہدِ مسلسل قابلِ داد ہے، اور چار سال کے قلیل عرصہ میں اس نوعیت کا وسیع موسوعہ مرتب کرنا ان کے عزم وہمت کا منہ بولتا ثبوت ہے، اللہ تعالیٰ انہیں مزید ہمت واستقامت سے نوازے اور ایسی علمی خدمات کی توفیقِ مزید بخشے، آمین یا رب العالمین!

مآخذ ومصادر:......(۱):-فهرس الفهارس، ج:۱،ص:۶۷،دار الغرب الإسلامى، بيروت، لبنان، ۱۴۰۲ھ-۱۹۸۲ء۔(۲):- مقدمه فى مسيرة الحياةلعلى الطنطاوى ۱/ ۸،دارالقلم دمشق۱۴۰۷ھج (۳):-مقدمة مفتاح كنوز السنة للشيخ محمد رشيد رضا، ص: و، سہیل اکیڈمی، لاہور، پاکستان. (۴):- مقدمة ''فى مسيرة الحياة'' للشيخ على الطنطاوى، ج:۱،ص: دارالقلم دمشق، ۱۴۰۷ھ(۵):-الإجازات الهندية وتراجم علمائها، ج:۱،ص: ۱۱،۱۲:-ایضاً، ج:۱،ص:۵،۶(۷):-یہ تفصیلی مضمون ''الإجازات الهندية وتراجم علمائها، جمع واعتناء الشيخ عمر بن محمد سراج حبيب الله'' کے عنوان سے معروف عرب ویب سائٹ ''الالوكة'' پر موجود ہے۔

علوم الحدیث کا اجمالی تعارف

(پہلا حصہ)

مولانا مفتی محمد طارق محمود

حدیث شریف سے متعلق مباحث اور تفصیلات کو دو بنیادی قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ا:علم الحدیث روایۃ ۔۲:علم الحدیث درایۃ ۔پہلی قسم میں حدیث شریف کو نقل کرنا اور ضبط کرنا بھی داخل ہے،اور راوی اور مروی ہر ایک میں سے مقبول اور مردود کی پہچان کرنا بھی داخل ہے۔راوی اور مروی میں سے مقبول اور مردود کی پہچان کو علم مصطلح الحدیث،علم اصول الحدیث اور علم مصطلح اھل الاثر بھی کہتے ہیں۔اور علم الحدیث درایۃ سے مراد حدیث کے معانی معلوم کرنا ہے۔(ماخذہ:تعلیق الشیخ عبدالفتاح ابی غدۃ علی مبادئ علم الحدیث واصولہ:ص۵۸-۶۱ملخصا)

علم الحدیث روایۃ اور علم الحدیث درایۃ ،یہ دونوں بنیادی قسمیں،بہت سے فنون پر مشتمل ہیں۔چنانچہ مثلا مقدمہ ابن صلاح میں ۶۵/انواع مذکور ہیں۔تدریب الراوی میں ۹۳/انواع کا ذکر کیا گیا ہے۔اور منہج النقد میں ۸۵/ انواع بیان کی گئی ہیں۔چونکہ راویوں اور روایتوں کی صفات محصور نہیں ہوسکتیں،لہذا اس بارے میں کوئی خاص تعداد آخری نہیں۔(مقدمہ ابن صلاح:ص۱۱)۔علوم الحدیث دراصل تین طرح کے علماء کے کلام کا مجموعہ ہیں۔محدثین ،فقہاء اور اصولیین۔انھیں صرف محدثین کے اقوال میں منحصر کردینا درست نہیں۔اصول فقہ کی کتب کا باب السنۃ بھی علوم الحدیث کا جزء ہے۔(تعلیق الشیخ محمد عوامۃ علی تدریب الراوی مع حاشیۃ ابن العجمی:۱/۱۵-۱۷) کتب اصول فقہ کی بحث السنۃ کا مطالعہ ضروری ہے۔کیونکہ مجتہدین خصوصا ائمہ حنفیہ کے اصول حدیث کا قدیم اور اہم مصدر یہی ہے ۔(المدخل الی علوم الحدیث الشریف:ص۱۳۲ملخصا،مولانا شیخ محمد عبدالمالک،قواعد فی علوم الحدیث:ص۲۰)

یہاں ان انواع کا مختصر تعارف کرایا جارہا ہے،تاکہ علوم الحدیث کا بنیادی ڈھانچہ سامنے آجائے،اور مبتدی کو اجمال قبل التفصیل کا فائدہ دے۔اس مضمون کا بنیادی مأخذ شیخ نورالدین عتر کی کتاب منہج النقد فی علوم الحدیث،اور مولانا عبیداللہ اسعدی کی کتاب علوم الحدیث ہے۔جہاں دیگر کتب سے استفادہ کیا گیا ہے،وہاں ان کا حوالہ ذکر کردیا ہے الا یہ کہ کہیں کوئی جملہ تشریح کے لیے بڑھایا ہو۔

علوم الحدیث کی کل انواع چار ذیلی عنوانات پر تقسیم کی جاسکتی ہیں:ا:حدیث کے طالب علم اور استاذ کے آداب۔۲:سند سے متعلق انواع۔۳:سند اور متن دونوں سے متعلق انواع۔۴:متن سے متعلق انواع۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

محدثین نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب سب چیزیں زیر بحث لاتے ہیں۔اور فقہاء واصولیین صرف ان امور سے بحث کرتے ہیں جن سے احکام مستنبط ہوں۔لہذا اِن کے نزدیک غیر اختیاری احوال اور نبوت سے پہلے کے احوال زیر بحث نہیں آتے۔اور یہ اختلاف غرض اور مقصد کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔(دیکھیے: نوادر الحدیث:ص۶۳- ۶۸)

۱:حدیث کے طالب علم اور استاذ کے آداب: ۱ - ۵

۱: آداب طالب الحدیث :اخلاص،محنت،علم پر عمل،اساتذہ کا احترام،ساتھیوں کو علمی فائدہ پہنچانا،علم حدیث حاصل کرنے میں مناسب تدریجی نصاب اور طریقہ اختیار کرنا وغیرہ۔

۲:آداب المحدث :اخلاص،اچھے اخلاق،اپنے اندر علمی قابلیت کا لحاظ کرنا،جب ذہنی قوت ساتھ نہ دے تو درس دینا چھوڑ دینا،بڑوں کا ادب،حدیث کا ادب کرنا اور درس حدیث کی تیاری،تصنیف وتحقیق میں مشغول ہونا وغیرہ۔

۳: کیفیة سماع الحدیث: اتنی عمر میں حدیث سنے جس میں سن کر صحیح طرح ضبط کر سکے۔استاذ سے حدیث لینے کے ۸ طریقے ہیں۔انھیں طرق تحمل الحدیث بھی کہتے ہیں۔۱:السماع:استاذ سے حدیث سننا۔۲:العرض:استاذ کو حدیث سنانا۔۳:الاجازة:محدث کا طالب کو اپنے سے حدیث روایت کرنے کی اجازت دینا۔ابن صلاح رحمہ اللہ نے اجازت کی ۷ قسمیں ذکر کی ہیں۔۴:المناولة:استاذ کا شاگرد کو لکھی ہوئی حدیثیں دینا تاکہ استاذ کی طرف سے نقل کرے۔اس کی ۳ قسمیں ہیں۔۵:المکاتبة:محدث کا کسی کو لکھی ہوئی حدیثیں بھیج دینا۔اس کی دو قسمیں ہیں۔۶:الاعلام:طالب کو بتانا کہ یہ حدیث یا کتاب میں نے فلاں سے سنی ہے۔۷:الوصیة:محدث کا کسی کو اپنی تحریرات حدیث دینے کو وصیت کرنا موت کے وقت یا سفر کے وقت۔۸:الوجادة:کسی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی حدیث یا کتاب سند کے ساتھ پانا۔ان صورتوں کے احکام میں تفصیل ہے۔

۴:صفة روایة الحدیث: ۱:حدیث کو ایسے لفظ سے آگے نقل کرنا جس سے کیفیت تحمل معلوم ہوتی ہو۔ہر طریق تحمل کے لیے خاص لفظ ہے۔طریق تحمل کے درست ہونے اور اسے صحیح طرح نقل کرنے پر سند کے اتصال اور انقطاع کا مدار ہوتا ہے۔۲:روایت بالمعنی:مخصوص شرائط کے ساتھ جائز ہے۔جمہور کا یہی قول ہے اور یہی راجح ہے۔لیکن کتب حدیث کی تدوین کے بعد روایت بالمعنی کی ضرورت نہیں رہی۔لہذا روایت باللفظ ہی کرنی چاہیے،البتہ مجالس وعظ میں کسی حد تک روایت بالمعنی کی گنجائش ہے۔روایت بالمعنی کرنے کے بعد احتیاطا اوکما قال وغیرہ الفاظ کہنے چاہییں۔۳:اختصار فی الحدیث:جمہور کے نزدیک یہ جائز ہے،بشرطیکہ اختصار اس طرح کیا جائے کہ حدیث

کے معنی نہ بدلیں۔۴:عربی قواعد کی رعایت کرنا بھی لازم ہے،ورنہ من کذب علی متعمدا کی وعید میں داخل ہونے کا اندیشہ ہے۔۵: محذوف الفاظ پڑھنا: قال،ان وغیرہ جیسے الفاظ بسا اوقات سند میں لکھے نہیں ہوتے ،لیکن پڑھتے وقت زبان سے یہ الفاظ ادا کرنے چاہییں۔مثلا حدثنا عبداللہ بن یوسف اخبرنا مالک کو یوں پڑھیں گے : قال اخبرنا مالک۔سند کے آخر میں عن ابی ہریرۃ قال لکھا ہوتو اسے عن ابی ہریرۃ انہ قال پڑھا جائے گا ورنہ عربیت کی رو سے کلام ناقص ہوگا۔چوتھی صدی ہجری کے اختتام کے بعد حدیث کے تحمل اور روایت کی شرائط میں تخفیف ہوگئی،اور رروایان حدیث کے حالات محفوظ کرنے کا پہلے جیسا اہتمام نہیں کیا گیا۔کیونکہ کتب حدیث کی تدوین کے بعداب کتاب سے حدیث نقل کرنا کافی ہے۔سلسلہ اسناد جوامت کی خصوصیات میں سے ہے اسے باقی رکھنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ استاذ مسلمان،عاقل،بالغ نیک ہواوراساتذہ وقت سے معتبر طریقے سے حدیث پڑھی ہواور صحیح طریقے سے حدیث روایت کرے۔

۵:آداب کتابة الحدیث:۱:الفاظ کو صحیح طرح ضبط کرنے کا خاص اہتمام کرنا،خصوصا سند کے ناموں کا درست ضبط بہت اہم ہے،کیونکہ یہ صرف سماع پر موقوف ہے۔اس سلسلے کی ایک اہم کتاب شیخ محمد طاہر پٹنی کی المغنی فی ضبط اسماء الرجال ہے۔یہ کتاب حضرت مولانا زین الدین اعظمی حفظہ اللہ کی تحقیق وتعلیق کے ساتھ مطبوع ہے۔۲:مشکل الفاظ کو متن میں ضبط کرنے کے بعد حاشیے میں بھی ضبط کرنا بیان کا عنوان دے کر،تاکہ الحاق کا شبہ نہ ہو۔۳: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر درودوسلام لکھنے کی پابندی کرنا۔۴:اپنے مجموعہ حدیث کی استاذ کی اصل کے ساتھ مقابلہ کرکے تصحیح کرنا۔حدیث لکھنے کے بارے میں خاص اصطلاحات ورموز بھی ہیں۔

۲: سند سے متعلق انواع: ۶ - ۵۲

۶ - ۳۰: معرفة ذات الراوی : راوی کی ذات کی پہچان سے متعلق انواع

۶:معرفة المبهمات :سند یا متن میں مذکور کسی شخص کے نام کی تصریح نہ ہوتو اس کا نام جاننا۔اس نوع کی سب سے جامع کتاب ولی الدین عراقی (۸۱۶ھ) کی **المستفاد من مبهمات المتن والاسناد** ہے۔اس نوع کا تعلق دراصل تیسری قسم (سنداور متن دونوں سے متعلق انواع) سے ہے،مگر تمہیدا یہاں ذکر کی گئی ہے۔

۷:معرفة من ذكر باسماء مختلفة او نعوت متعددة :ایک شخص کو مختلف ناموں یا القاب یا کنیتوں سے ذکر کیا جائے تو اس سے واقفیت۔مثلا محمد بن سائب کلبی کو کسی نے حماد کے نام سے ذکر کیا ہے اور کسی نے ابونصر اور ابو سعید کی کنیتوں سے۔خطیب بغدادی نے اپنے شیوخ کے حق میں بکثرت ایسا کیا ہے۔اور بعض متاخرین محدثین نے

بھی، حتی کہ ابن حجر عسقلانی نے بھی۔اس نوع کی مشہور کتاب خطیب بغدادی کی **موضح اوھام الجمع والتفریق** ہے۔

۸:معرفة الاسماء والكنى:کنیت سے مشہور راوی کا نام جاننا اور نام سے مشہور راوی کی کنیت جاننا۔اس نوع کی مشہور کتاب ابو بشر دولابی (۳۱۰ھ) کی **الکنی والاسماء** ہے۔

۹معرفة الالقاب:لقب سے مراد ایسا نام ہے جس میں تعریف یا تنقیص کا پہلو ہو۔صحابہ میں بھی بہت سے حضرات کے القاب تھے۔جیسے ذوالیدین، ذوالشمالین وغیرہ۔بعد میں بھی القاب جاری رہے۔جیسے معاویہ بن عبد الکریم کا لقب ضال ہے، کیونکہ یہ مکہ کے راستے میں بھٹک گئے تھے۔محمد بن ابراہیم کا لقب صاعقہ ہے، قوت حافظہ کی عمدگی کی وجہ سے۔اس نوع کی سب سے عمدہ کتاب ابن حجر (۸۵۲ھ) کی **نزھة الالباب** ہے

۱۰:معرفة المنسوبين الى غير آبائهم :نسبت عموماً والد کی طرف ہوتی ہے، لیکن کبھی کسی وجہ سے والد کے علاوہ کسی دوسرے کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے۔جیسے حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی طرف منسوب ہیں۔ان کے والد کا نام حارث تھا۔اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اپنے دادا کی طرف منسوب ہیں۔ان کے والد کا نام عامر تھا۔اس نوع پر کوئی مستقل کتاب نہیں۔

۱۱:النسب التی علی خلاف ظاهرها:کسی عارض کی بنا پر کبھی راوی کے اپنے علاقے، قبیلے اور پیشے کے علاوہ کسی اور کی طرف بھی نسبت کی جاتی ہے۔جیسے حضرت ابومسعود بدری غزوہ بدر میں شریک نہیں تھے، بلکہ اس جگہ قیام کی وجہ سے بدری کہلاتے ہیں۔خالد حذا خود موچی نہیں تھے، بلکہ ان لوگوں کی ہم نشینی کی وجہ سے حذا کہلاتے ہیں۔اس نوع کی مشہور کتاب عبدالکریم سمعانی (۵۶۲ھ) کی **الانساب** اور سیوطی (۹۱۱ھ) کی **لب الالباب** ہے۔

۱۲:معرفة الموالی من الرواة والعلماء: قبیلے کی طرف نسبت میں اصل یہ ہے کہ نسبی تعلق اس قبیلے سے ہو۔چنانچہ قرشی کا مطلب ہے قریش کی اولاد۔لیکن بسا اوقات عقد ولاء کی وجہ سے بھی کسی قبیلے کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔اس کے لیے مثلاً **مولی قریش یا القرشی مولاھم** کی تعبیر استعمال کی جاتی ہے۔

۱۳:اوطان الرواة وبلدانهم : اہل عرب ابتدائی دور میں قبیلے کی طرف نسبت کیا کرتے تھے۔اسلام کے بعد جب ایک جگہ ٹھہرنے لگے تو علاقے کی طرف نسبت کرنے لگے۔اہل عجم ہمیشہ سے شہروں اور بستیوں کی طرف نسبت کرتے رہے ہیں۔

۱۴:معرفة الاسماء المفردة : ایسا نام یا لقب یا کنیت جو صرف ایک راوی کا ہو، اور کسی کا نہ ہو۔جیسے مثلاً

صحابہ کرام میں سندر نام، سفینہ لقب اور ابوالحمراء کنیت، صرف ایک صحابی کی ہے۔رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۱۵: المتفق والمفترق: متفق بمعنی یکساں اور مفترق بمعنی جدا۔تحریر اور تلفظ میں ناموں کے اتحاد کے ساتھ شخصیات کا جدا جدا ہونا۔اسکی بہت سی صورتیں ہیں۔جیسے متعدد راویوں اور ان کے والدوں کے نام ایک ہوں جیسے عمر بن خطاب کے نام سے ۶؍اشخاص ہوئے ہیں۔متعدد راویوں اور ان کے والدوں کے نام اور نسبتیں ایک ہوں جیسے محمد بن عبداللہ انصاری ۲؍اشخاص ہوئے ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔

۱۶:المؤتلف والمختلف: مؤتلف بمعنی ملنے والا اور مختلف بمعنی الگ ہونے والا۔نام یا القاب یا کنیتیں یا نسبتیں کتابت میں یکساں ہوں مگر تلفظ ان کا مختلف ہو۔جیسے سلام لام کی تشدید کے ساتھ بھی ہے اور تخفیف کے ساتھ بھی ہے۔ابن حجر(۸۵۲ھ) کی **تبصیر المنتبه بتحریر المشتبه** اس نوع کی عمدہ ترین کتاب ہے۔

۱۷:المتشابه: پچھلی دونوں نوعوں سے مل کر یہ نوع بنتی ہے۔رواۃ کے ناموں کا تلفظ میں یکساں ہونا اور ان کے آباء کے ناموں کا کتابت میں یکساں اور تلفظ میں مختلف ہونا۔جیسے محمد بن عقیل میں والد کا نام عین کے ضمے اور قاف کے فتحے کے ساتھ بھی ہے اور عین کے فتحے اور قاف کے کسرے کے ساتھ بھی ہے۔یا رواۃ کے ناموں کا تلفظ میں مختلف ہونا اور ان کے آباء کے ناموں کا تلفظ میں یکساں ہونا جیسے شریح بن نعمان اور سریح بن نعمان۔اس نوع پر خطیب بغدادی کی کتاب **تلخیص المتشابه فی الرسم** ہے۔

۱۸:المشتبة المقلوب: ایک راوی کا نام دوسرے راوی کے والد کے نام کی طرح ہو کتابت اور تلفظ میں اور دوسرے راوی کا نام کتابت اور تلفظ میں پہلے کے والد کے نام کی طرح ہو۔جیسے الولید بن مسلم اور مسلم بن الولید۔چنانچہ امام بخاری نے دوسرے راوی کا نام پہلے راوی کا ذکر کردیا ہے اور اس وہم پر ابن ابی حاتم رازی نے تنبیہ کی ہے۔اس نوع پر خطیب بغدادی کی کتاب **رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والالقاب** ہے۔

۱۹: تواریخ الرواة : تاریخ سے مراد محدثین کے ہاں ولادت، وفات، اسفار اور تحصیل علم وغیرہ کے اوقات ہوتے ہیں۔

۲۰:طبقات الرواة: ایسے لوگ جو عمر اور اسناد میں یا صرف اسناد میں ایک دوسرے سے قریب ہوں طبقہ کہلاتے ہیں۔اسناد میں قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ چند لوگوں کے اساتذہ ایک ہی ہوں یا ہم مرتبہ ہوں۔ایسے بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک اعتبار سے ایک طبقے سے ہو اور دوسرے اعتبار سے دوسرے طبقے سے ہو۔خلیفہ بن خیاط (۲۴۰ھ) کی **طبقات الرواة** اور محمد بن سعد(۳۲۰ھ) کی **الطبقات الکبری** اور شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) کی **تذکرة الحفاظ** اس نوع کی اہم کتب میں سے ہیں۔

۲۱:معرفة التابعین: جوکسی صحابی سے ملے یا ان سے روایت بھی کرے، اور ایمان پر ہی اسے موت آئے۔(تابعی کے لیے ملاقات کے وقت مومن ہونے کی شرط نہیں۔اگر ملاقات کے بعد اسلام لائے تو پھر بھی تابعی ہے۔فتح المغیث:۴/۱۴۷)

تابعین کو بنیادی طور پر تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔کبار تابعین کا طبقہ۔متوسط تابعین کا طبقہ۔صغار تابعین کا طبقہ۔راجح قول کی بنا پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تعلق بھی اسی آخری طبقے سے ہے۔دیکھیے: منہج النقد:ص ۱۴۸، اور۔امام ابوحنیفہ کی تابعیت اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی روایت: مولانا عبدالشہید نعمانی۔آخری تابعی خلیفہ بن ایوب (۱۸۰ یا ۱۸۱ھ) ہیں۔جو حضرات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں اسلام لائے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل نہ کر پائے، انھیں مخضرمین کہتے ہیں۔مثلاً حضرت اویس قرنی وغیرہ رحمہم اللہ تعالی۔یہ حضرات اصلاً تابعی ہیں۔امام مسلم اور عراقی نے مجموعی طور پر ایسے ۴۰/اشخاص کا ذکر کیا ہے۔سبط ابن عجمی (۸۴۱ھ) نے ان کے بارے میں مستقل کتاب لکھی ہے۔تذکرة الطالب المعلم بمن یقال انه مخضرم

۲۲:معرفة اتباع التابعین: جو تابعی سے ملاقات کرے یا روایت لے اور ایمان پر ہی اسے موت آئے اسے تبع تابعی کہتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہاں بھی ملاقات کے وقت مومن ہونے کی شرط نہیں۔(صحابہ کا قرن ۱۲۰ ہجری تک ہے تقریباً، تابعین کا قرن ۱۷۰ یا ۱۸۰ ہجری تک ہے تقریباً، اور تبع تابعین کا قرن ۲۲۰ ہجری تک ہے تقریباً۔ماخذہ: فتح الباری:۷/۶) ان تینوں قرون کے خیر ہونے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے۔(صحیح بخاری:۳۶۵۰، صحیح مسلم:۲۵۳۵/فواد)

۲۳:معرفة الاخوة والاخوات: ہر طبقے کے رواة میں سے جو لوگ آپس میں بھائی بھائی یا بھائی بہن ہیں ان سے واقفیت حاصل کرنا۔دو سے لے کر بڑی تعداد تک افراد آپس میں بھائی بھائی یا بھائی بہن ہو سکتے ہیں۔سیوطی نے اس بارے میں آخری تعداد ۱۴ ذکر کی ہے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کی۔

۲۴:روایة الاقران والمدبج: اقران قرین کی جمع ہے بمعنی مصاحب۔اس کے معنی یہ ہیں کہ راوی اور اس کا شیخ دونوں ہم عمر یا ہم طبقہ ہوں۔جیسے مثلاً سلیمان تیمی کی مسعر بن کدام سے روایت۔روایة الاقران کی ایک صورت مدبج بھی ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ دو اقران میں سے ہر ایک دوسرے سے روایت کرے۔جیسے مثلاً صحابہ میں حضرت عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک کی دوسرے سے روایت۔

۲۵:روایة الاکابر عن الاصاغر: عمر اور طبقہ یا علم اور حفظ میں اپنے سے کمتر راوی سے حدیث روایت کرنا۔اس کی ایک صورت یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ سے عمر اور طبقہ دونوں میں بڑا ہو۔دوسری صورت یہ ہے کہ راوی

مرتبے میں بڑا ہو، اگر چہ عمر میں چھوٹا ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ راوی عمر اور مرتبہ دونوں میں شیخ سے بڑا ہو۔ طبقے کا تعلق عمر اور زمانے سے ہوتا ہے اور مرتبے کا تعلق ذاتی اوصاف سے۔

۲۶: روایۃ الآباء عن الابناء: والد کا اپنے بیٹے سے روایت کرنا۔ یہ روایۃ الاکابر عن الاصاغر کے قریب ہے۔ والد بیٹے سے عمر میں تو بڑا ہوتا ہے، لیکن طبقے یا مرتبے میں بیٹے سے بڑا ہونا ضروری نہیں۔

۲۷: روایۃ الابناء عن الآباء: راوی کا اپنے والد یا والد کے واسطے سے دادا یا اوپر کے کسی فرد سے روایت کرنا۔

۲۸: معرفۃ السابق واللاحق: ایک شیخ سے حدیث لینے والے دو ایسے شاگرد جن کی وفات کے درمیان زیادہ مدت ہو۔ جیسے امام بخاری اور خفاف نیشاپوری دونوں محمد بن اسحاق سراج کے شاگرد ہیں۔ امام بخاری ۲۵۶ھ اور خفاف نیشاپوری ۳۹۳ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ راوی کی ذات سے متعلق ان سب پہلوؤں پر مستقل بحث کی غرض یہ ہے کہ راوی کی ذات پوری طرح معین اور مشخص ہو جائے اور اس میں کسی طرح کا اشتباہ اور ابہام نہ رہے۔

رواۃ حدیث کے درمیان پائی جانے والی خصوصی مناسبتیں لطائف اسناد کہلاتی ہیں۔ اس کی سات صورتیں ہیں۔ نوع ۲۴ تا ۳۰۔ (علوم الحدیث اسعدی: ص ۲۷۷، ۲۷۸ بتغییر)

۲۹: معرفۃ السند العالی والنازل: حدیث کی دو سندوں میں سے ایک میں راویوں کی تعداد کم ہو، اور دوسری میں زیادہ ہو تو پہلی کو اسناد عالی اور دوسری کو اسناد نازل کہتے ہیں۔ علو کی دو قسمیں ہیں۔ ۱: علو مطلق: جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک واسطے کم ہوں۔ ۲: علو نسبی: جس میں کسی خاص شخص تک واسطے کم ہوں۔ علو نسبی کی چار صورتیں ہیں۔ علو کی ہر قسم کے مقابلے میں نزول کی بھی قسم ہے۔ سند عالی اور سند نازل کے بعض خاص پہلوؤں پر مستقل کتب لکھی گئی ہیں۔ جیسے مثلاً ثلاثیات پر ابن حجر کی۔ ثلاثیات بخاری۔ یعنی جن میں امام بخاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ ثنائیات پر حاکم اور ابن عساکر کی۔ عوالی مالک۔ وحدانیات پر عبدالکریم شافعی کی۔ وحدانیات الامام ابی حنیفہ۔ رباعیات پر دارقطنی کی۔ رباعیات الامام الشافعی۔

۳۰: معرفۃ المسلسل: جس حدیث کے راوی خود اپنی یا روایت کی کسی خاص کیفیت پر متفق ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ سارے رواۃ متفق ہوں، بلکہ مسلسل کہلانے کے لیے اکثر کا اتفاق ضروری ہے۔ جب تسلسل درمیان یا آخر میں ختم ہو جائے تو تصریح کر دی جاتی ہے کہ فلاں تک مسلسل ہے۔ ہندوستان کے مرکزی اداروں میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی مسلسلات کی سماعت واجازت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس میں تقریباً ۱۰۰ احادیث ہیں جن میں مختلف انداز کا تسلسل ہے۔ لطائف اسناد کی ساتوں صورتیں اکٹھی کرنے کے لیے نوع ۲۹ اور ۳۰ کو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

۳۱ - ۳۷: معرفۃ حال الراوی: جن انواع کا تعلق راوی کے حال یعنی ثقہ یا ضعیف ہونے کی پہچان سے ہے

۳۱: صفة من تقبل روایته ومن ترد (جس راوی کی روایت مقبول ہوگی اس کی صفت اور جس کی مردود ہوگی): ۱: جو راوی عادل اور ضابط ہو اس کی روایت مقبول ہوتی ہے۔ اسے ثقہ کہتے ہیں۔ ۲: عادل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ مسلمان، عاقل، بالغ، متقی اور مروت والا ہو۔ اور ضابط کے معنی یہ ہیں کہ حدیث صحیح طرح سنے اور ویسے ہی روایت کرے، خواہ زبانی یاد رکھ کر، خواہ کتاب سے دیکھ کر۔ ۳: ثقاہت معلوم ہونے کے طریقے ۵ ہیں۔ ۱: شہرت واستفاضہ: جیسے امت کے مشہور ومعتمد علماء وائمہ مثلا ائمہ اربعہ، اصحاب کتب ستہ وغیرہ۔ ۲: شہادت کا مقبول ہونا۔ ۳: قول سے ثقہ قرار دینا۔ ۴: اس کی روایت پر عمل کرنا۔ ۵: اس سے روایت کرنا۔ محدثین اپنی کتب میں تیسرا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ دیگر طریقے اصولیین، محدثین اور فقہاء کی ایک جماعت نے ذکر کیے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تعلیق الشیخ عبدالفتاح علی الرفع والتکمیل: ص ۱۶۴-۱۶۷

۴: نووی کہتے ہیں حدیث اور فقہ کے جمہور ائمہ کا اتفاق ہے کہ اس کی روایت مقبول ہوگی جو ثقہ یعنی عدل اور ضابط ہو۔ (تدریب الراوی: ۴/۵، ۲/۱۳۵) اتنی بات پر تو اتفاق ہے، البتہ اسکی تفصیل میں کسی قدر اختلاف ہے۔ دیکھیے: تعلیق الشیخ محمد عوامہ علی تدریب الراوی: ۴/۵-۱۱۔ ۵: حنفیہ کے نزدیک بنیادی طور پر راویوں کی دو قسمیں ہیں: معروف، مجہول۔ مجہول کا مطلب ہے جس سے ایک دو روایتیں مروی ہوں۔ یعنی بہت کم روایتیں مروی ہوں، خاص یہ عدد مراد نہیں۔ اور محدثین کے نزدیک مجہول وہ ہے جس سے روایت کرنے والے کم ہوں۔ جس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہو وہ مجہول العین ہے۔ جس سے روایت کرنیوالے دو ہوں وہ مجہول الحال ہوگیا۔ جب اس کی عدالت ظاہرہ معلوم ہوگئی تو مستور بن گیا، اب یہ مجہول العدالۃ الباطنۃ ہے۔ ۶: لوگ مجاہیل کے احکام علوم الحدیث کی کتب سے لیتے ہیں اور انھیں حنفیہ کے دلائل پر جاری کرتے ہیں، حالانکہ ان کتب میں، (مواضع خلاف میں) سادات شافعیہ کے مذہب کے مطابق کلام ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تداخل اور اشتباہ میں پڑ جاتے ہیں۔ دیکھیے: تعلیق الشیخ محمد عوامہ علی تدریب الراوی: ۴/۸۴، ۸۵، ۸۹۔ یہ فرق ہمیشہ ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اور ہر فقہی مذہب کے دلائل حدیث کو اس کے اپنے اصول ومصطلحات حدیث کی روشنی میں دیکھنا لازم ہے۔ جیسے مثلا امام ابو یوسف اور امام محمد کا اپنی کتب **الرد علی سیر الاوزاعی** اور **الحجة علی اهل المدینه** وغیرہ میں طریقہ ہے۔ اور جیسے طحاوی **شرح معانی الآثار** اور **شرح مشکل الآثار** میں کرتے ہیں اور جصاص **شرح مختصر الطحاوی** اور قدوری **التجرید** میں کرتے ہیں۔

۳۲: الجرح والتعدیل: ۱: تعدیل کے معنی ہیں راوی میں عدالت اور ضبط کا وجود بیان کرنا۔ اور جرح اس کی ضد ہے۔ جارحین اور معدلین کے راوی کے بارے میں الفاظ، مصطلحات حدیثیہ کے ارتقاء اور شیوع سے پہلے کے

ہیں۔اس ارتقاء اور شیوع کا زمانہ تقریباً قرن رابع اور اس کے بعد کا دور ہے۔۲:ابن ابی حاتم (م ۳۲۷ھ) نے اپنی کتاب۔ الجرح والتعدیل۔ میں ان الفاظ کو کسی قدر مرتب کیا۔ پھر متأخرین نے الفاظ جرح وتعدیل کو مختلف مراتب میں تقسیم کیا۔۳: یہ ترتیب اور اصطلاحات جو متأخرین نے قائم کی ہیں، انھیں متأخرین کے کلام میں پوری طرح معتبر سمجھا جائے گا۔ اور متقدمین کی عبارات میں تباین اور تغایر کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ استقرائے تام کے ذریعے اس امام کی بہت سی عبارات سے اس کی اصطلاح اور مقصد معلوم کیا جائے۔(تعلیق الشیخ عبدالفتاح علی الرفع والتکمیل:ص۱۲۹،۱۳۰ملخصا)

۴: راوی کی عدالت پر طعن، ضبط کے طعن سے سخت ہوتا ہے۔عدالت سے متعلق ۵ طعن ہیں:۱: جہالت، ۲:فسق، ۳:بدعت، ۴:تہمت کذب، ۵: کذب۔ ضبط سے متعلق ۵ طعن ہیں۔۱:سوء حفظ، ۲:مخالفت ثقہ، ۳:وہم، ۴: کثرت غلط، ۵:فحش غلط۔نزہۃ النظر:ص ۸۷ ج ۳)

۵: الفاظ جرح وتعدیل کو چھے چھے مراتب میں تقسیم کیا گیا ہے۔تفصیل کے لیے دیکھیے:علوم الحدیث اسعدی :ص۲۲۰ - ۲۲۲،الرفع والتکمیل مع التعلیقات:ص ۱۵۵-۱۶۴، ۱۶۷-۱۸۳) ۶: متقدمین ومتأخرین میں سے جن ائمہ کی خاص اصطلاحات ہیں انھیں پیش نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ اور صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور دیگر مشہور ائمہ کے طبقے میں، بکثرت روایت کرنے والے راویوں کے حالات اگر زبانی یاد کر لیے جائیں، تو بہت سی احادیث کی سند کا کل یا اکثر حصہ بسہولت پہچانا جاسکتا ہے۔شیخ محمد عوامہ حفظہ اللہ نے ذہبی کی کاشف کو جرح وتعدیل کے موضوع پر معلم مدرب قرار دیا ہے۔اور مبتدی کے لیے کاشف اور ابن حجر کی۔تقریب التھذیب۔کی مراجعت کو بہترین طریقہ قرار دیا ہے۔(دیکھیے: دراسات الکاشف للشیخ محمد عوامۃ:۱/۱۳)۔اصول جرح وتعدیل پر مولانا عبدالحی لکھنوی کی **الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل** بہت مفید ہے۔شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ کی تعلیقات کے ساتھ مطبوع ہے۔

۷: جارح اور معدل دونوں کے لیے علم، تقوی، ورع، تعصب سے بچنا، اسباب جرح وتعدیل کو جاننا شرط ہے۔اور جس میں یہ اوصاف نہ ہوں اس کی جرح اور تعدیل مقبول نہیں۔(الرفع والتکمیل:ص ۶۷)۔جرح اور تعدیل کا اگر سبب مذکور ہو تو انھیں مفسر کہتے ہیں، ورنہ مبہم۔ جرح مفسر اور تعدیل مفسر بالاتفاق مقبول ہیں، جبکہ ان کے قبول کی شرائط پائی جائیں۔جرح مبہم اور تعدیل مبہم کے قبول کے بارے میں کل چار اقوال ہیں:۱: تعدیل مبہم مقبول ہے، جرح مبہم مردود۔۲: پہلے قول کا عکس یعنی تعدیل مبہم مردود اور جرح مبہم مقبول ہے۔۳: دونوں مردود ہیں۔۴: دونوں مقبول ہیں۔(الرفع والتکمیل:ص ۷۹-۹۲) ان میں سے دو قولوں کو ترجیح دی گئی ہے۔پہلا اور چوتھا

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

قول۔(الرفع والتکمیل :ص۱۰۴-۱۰۸مع حواشی ملخصا) یعنی جرح مبہم کے قبول ہونے نہ ہونے کے بارے میں قول راجح دو ہو گئے۔ان دونوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ اگر جارح مواقع خلاف کی رعایت کرنے والا ہو تو اس کی جرح مبہم مقبول ہوگی ،ورنہ نہیں۔(دیکھیے :التلویح:۲/۲۸،تدریب الراوی :۴/۳۳،۴۶) ۔مواقع خلاف کی رعایت کا مطلب یہ ہے کہ جس امر کا جرح ہونا مختلف فیہ ہو اس کی بنا پر جرح نہ کرے۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے :الملخص فی اصول الحدیث :ص۶۵،۶۶ ،قواعد فی علوم الحدیث :ص۱۶۷-۱۶۹،۱۷۴مع التعلیقات۔حافظ ابن حجر کا میلان اس طرف ہے کہ جس راوی کی توثیق منقول نہ ہو،اس پر جرح مبہم مقبول ہے،لیکن جو علماء قرون ثلاثہ کے مستور کو ثقہ قرار دیتے ہیں ان کے اصول کی رو سے یہ جرح بھی مقبول نہیں۔(قواعد فی علوم الحدیث:ص۱۷۴)

۸: **جرح اور تعدیل میں تعارض**:ایک راوی کے بارے میں دو ناقدین میں سے ایک سے جرح منقول ہو،اور دوسرے سے تعدیل منقول ہو،اور دونوں میں قبول کی شرائط پائی جائیں تو ترجیح کیسے ہوگی؟اس بارے میں کل تین قول ہیں۔اس مسئلے میں راجح یہ تفصیل ہے:جرح اور تعدیل دونوں مبہم ہوں،یا جرح مبہم ہو اور تعدیل مفسر ہو،تو ان دونوں صورتوں میں تعدیل کو ترجیح ہوگی۔اور اگر جرح مفسر ہو تو وہ مقدم ہوگی،چاہے تعدیل مبہم ہو یا مفسر۔(حاشیہ قواعد فی علوم الحدیث:ص۳۴۹،الرفع والتکمیل :ص۱۱۴،ح۱،۲،تدریب الراوی:۴/۴۹،۵۰ح۳)اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ الجرح مقدم علی التعدیل کا قاعدہ اپنے عموم اور اطلاق پر نہیں۔اگر اسے عام لیا جائے تو انبیاء کے علاوہ کوئی بھی نہیں بچے گا،کیونکہ کسی قدر جرح سے کوئی بھی نہیں بچا۔(حاشیۃ الرفع والتکمیل :ص۱۱۶)

۹: محدثین کو فقہاء وغیرہ سے کشیدگی بھی رہی ہے۔اور اس کا اثر بھی جرح وتعدیل میں آیا ہے۔تفصیل کے لیے دیکھیے:تعلیق الشیخ عبد الفتاح علی الرفع والتکمیل :ص۸۷-۸۹،الجرح والتعدیل للجمال القاسمی :ص۳۱،۳۲،فیض الباری:۲/۴۷۶، قواعد فی علوم الحدیث:ص۱۹۲،۱۹۳،حاشیہ ص۳۶۱ - ۳۸۰،امام محمد بن الحسن الشیبانی:مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی،ماہنامہ معارف،نومبر دسمبر۲۰۰۰م،المدخل الی علوم الحدیث الشریف:ص۱۵۸،تدریب الراوی :۴/۴۹،۵۰ح۳،التجرید للقدوری:۳/۱۳۰۵،۱۳۰۶،حاشیۃ الرفع والتکمیل :ص۳۹۸،۳۹۹

۱۰: ابن صلاح نے اسے اختیار کیا ہے کہ جس امام (مجتہد) کے فقہی مذہب میں پیروکار ہوں،جب کسی ایسے راوی کی حدیث سے دلیل لے جسے دوسروں نے ضعیف کہا ہو،تو وہ راوی اس امام کے پیروکاروں کے حق میں ثقہ ہی ہوگا۔یہ بات حافظ سخاوی نے امام شافعی کے ابراہیم بن محمد بن ابی یحیی سے روایت کرنے کے بیان میں نقل کی ہے۔اس راوی کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔اسے صرف امام شافعی نے ثقہ قرار دیا ہے۔(فتح الملہم :۱/۱۷۹) شیخ نورالدین عتر کہتے ہیں کہ ائمہ متبوعین کی پیروی کرنے والوں کے حق میں یہی معتمد ہے کہ وہ ان ائمہ کی

تصحیح وتضعیف پر اعتماد کرتے ہیں، کیونکہ وہ (ائمہ متبوعین) اس علم (حدیث) میں بھی مجتہد ہیں۔(نزہۃ النظر :ص۹۷، ح۲) نیز دیکھیے :اوجز المسالک:۲/ ۹۵،المدخل الی علوم الحدیث الشریف:ص ۱۴۸-۱۵۱

۳۳: **الصحابة رضی الله عنهم** : صحابی کی تعریف میں اختلاف ہے۔محدثین کے ہاں تعریف یہ ہے کہ جو مسلمان ہونے کے حال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرے اور ایمان پر ہی اسے موت آئے۔اصولیین کے ہاں اس میں طول صحبت کی بھی قید ہے۔تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ صحبت کا ادنی شرف پہلے معنی سے حاصل ہوتا ہے،اور خاص درجہ دوسرے معنی سے۔دیکھیے :تعلیق الشیخ محمد عوامہ علی تدریب الراوی:۵/ ۱۶۱،۱۶۲۔حنفیہ کی اصول فقہ کی کتب میں جو بعض صحابہ کو مجہول لکھا ہے،اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ طول صحبت میں مشہور نہیں ۔دیکھیے :مصدر سابق:۵/ ۱۷۵۔پس یہ دوسرے درجے کے لحاظ سے ہے،نہ کہ پہلے درجے کے لحاظ سے۔اور اس معنی کے لحاظ سے بعض صحابہ پر مجہول کا اطلاق صرف حنفیہ ہی نے نہیں کیا، بلکہ بعض محدثین نے بھی کیا ہے۔جیسے علی بن مدینی،ابوحاتم رازی،عقیلی اور ابن حبان نے۔دیکھیے :مصدر سابق:۴/ ۸۸۔

الصحابة كلهم عدول من لابس الفتن وغيرهم باجماع من يعتد به۔صحابہ سب کے سب عادل ہیں،باہمی لڑائیوں میں شرکت کرنے والے بھی اور دوسرے بھی،اہل اجماع کا اجماع ہے۔(تدریب الراوی :۵/ ۱۷۱،۱۷۸)۔ان کی عدالت کا تعلق صرف روایت حدیث کی حد تک نہیں، بلکہ ساری زندگی کے ساتھ ہے۔ان حضرات کے معصوم نہ ہونے اور شاذ ونادر گناہ کے صدور کے باوجود ان کے متعلق امت کا یہ عقیدہ قرار پایا ہے کہ ان کی طرف کسی عیب وگناہ کی نسبت نہ کریں۔اور ان کی تنقیص وتوہین کے شائبہ سے بھی گریز کریں۔دیکھیے :مقام صحابہ رضی اللہ عنہم :ص۹۵،۶۰،حضرت مفتی محمد شفیع۔صحابہ کے حالات پر مشہور اور جامع کتاب ابن حجر کی **الاصابة في تمييز الصحابة** ہے۔سیوطی نے اس کی تلخیص **عين الاصابة** کے نام سے کی ہے۔

۳۴:**الثقات والضعفاء** : ثقہ سے مراد وہ راوی ہے جو عادل وضابط ہو۔اور ضعیف سے مراد وہ راوی ہے جس کی عدالت یا ضبط مجروح ہو۔اس نوع کی تصانیف بعض وہ ہیں جن میں صرف ثقات کا ذکر ہے۔جیسے ابن حبان اور عجلی کی الثقات۔بعض وہ ہیں جن میں صرف ضعفاء کا ذکر ہے۔جیسے ابن عدی کی الکامل فی الضعفاء۔اس میں جس راوی پر بھی جرح ہوئی اس کا ذکر کیا ہے،اگرچہ وہ جرح مقبول نہ ہو۔اور بعض میں دونوں طرح کے رواۃ ہیں۔جیسے عبدالغنی مقدسی (۶۰۰ھ) کی ۔الکمال فی اسماء الرجال ۔متقدمین اور متاخرین کے ہاں ثقہ کے معنی میں فرق :دیکھیے :تدریب الراوای:۴/ ۱۷۵،۱۷۶مع تعلیق) نیز دیکھیے :**المصطلحات الحديثيه بين الاتفاق والافتراق** :روایۃ بنت عبداللہ۔

۳۵:من اختلط فی آخر عمرہ :اختلاط کے معنی فساد عقل کے ہیں۔اس نوع کا فائدہ یہ ہے کہ ان کی اختلاط سے پہلے کی مقبول،اوراختلاط کے بعد کی غیر مقبول روایات کوالگ الگ کیا جا سکے۔اس نوع پر سبط ابن عجمی کی **الاغتباط بمن رمی بالاختلاط** ہے۔مختلط کے کبار تلامذہ کی روایات حالت صحت کی ہی سمجھی جاتی ہیں۔

۳۶::الوحدان:جن سے روایت کرنے والاصرف ایک راوی ہو۔اس نوع پرامام مسلم کی **المنفردات والوحدان** ہے۔

۳۷:المدلسون :تدلیس کی تعریف آگے حدیث مدلس کے عنوان کے تحت آئی گی ان شاءاللہ تعالی۔اس نوع پر سب سے جامع کتاب ابن حجر کی۔تعریف اہل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس ۔ہے۔اس میں مدلسین کی پانچ قسمیں کی ہیں۔پہلی دونوں قسموں کی تدلیس مقبول۔تیسری میں اختلاف اور چوتھی اور پانچویں قسم کی تدلیس مردود ہے۔دیکھیے :**تعریف اهل التقدیس**:ص۳،۴

حدیث نبوی کے راویوں کے حالات زندگی پرمکمل روشنی ڈالنے والی انواع کا مجموعہ علم اسماء الرجال کہلاتا ہے۔راویوں کے حالات محفوظ کرنے کا زیادہ تر سلسلہ متون حدیث کی تالیف کے آخری عہد تک،یعنی امام بیہقی (م ۴۵۸ھ) کے زمانے تک رہا ہے۔اس کے بعد رواۃ کے حالات جمع کرنے کا نہ ویسا اہتمام رہااور نہ ضرورت رہی ۔کیونکہ اب نقل حدیث کے سلسلے میں کتابوں پر ہی اعتماد کیا جانے لگا۔(علوم الحدیث اسعدی : ص۲۵،۲۲۶ملخصا)اسماءالرجال کی کتب کے قدرے تفصیلی تعارف کے لیے دیکھیے مولانا محمد حسین صدیقی کا رسالہ ۔راویان حدیث کا تذکرہ اوران پر محدثین کا تبصرہ

۳۸-۴۸: معرفة اتصال السند وانقطاعه : جن انواع کاتعلق سندکااتصال اورانقطاع پہچاننے سے ہے

۳۸:المتصل :جس کی سند میں سب راوی مذکور ہوں،کوئی رہ نہ گیا ہو،خواہ مرفوع ہو یا موقوف۔تابعین کے اقوال اگر سند متصل سے منقول ہوں تو یوں کہا جاتا ہے مثلا: ہذا متصل الی سعید بن المسیب۔اور بعض ان کو بھی علی الاطلاق متصل کہتے ہیں۔

۳۹:المسند:حدیث مرفوع متصل کومسند کہتے ہیں۔کبھی یہ حدیث مرفوع کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے۔

۴۰-۴۵: المعلق والمرسل (الجلی والخفی)والمعضل والمنقطع والمدلس : راوی اگرشروع سند سے گرا ہومصنف کی جانب سے تو اسے معلق کہتے ہیں۔اوراگر سند کے آخر سے تابعی کے بعد گرا ہو تو اسے مرسل

کہتے ہیں۔اور اگر سند میں کسی جگہ سے دو یا زائد راوی اکٹھے گرے ہوں تو اسے معضل کہتے ہیں۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنے مقدمہ میں معضل اور منقطع کی تعریف میں راوی کے درمیان سند سے محذوف ہونے کی قید لگائی ہے۔مولانا عبدالعظیم بلیاوی حفظہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کی تعریف میں یہ قید شیخ سے پہلے کسی کے کلام مجھے نہیں ملی۔

منقطع کی تعریف میں متعدد اقوال ہیں۔ابن عبدالبر کے نزدیک جس کی سند متصل نہ ہو وہ منقطع ہے۔اس تعریف میں معلق،مرسل اور معضل سب آ گئے اور منقطع ان تینوں سے اعم ہو گیا۔حاکم کے ہاں جس کی سند کی میں تابعی سے پہلے ایک یا زیادہ راوی محذوف ہوں وہ منقطع ہے۔عراقی،ابن حجر اور سیوطی کے ہاں جس کی سند میں تابعی سے پہلے ایک یا زیادہ راوی محذوف ہوں،لیکن اکٹھے محذوف نہ ہوں۔اور یہ ساری تفصیل حاکم (م۴۰۵ھ) کے زمانے سے متاخرین محدثین کے ہاں ہے۔حاکم سے پہلے کے متقدمین محدثین اور فقہاء واصولیین کے ہاں مرسل اور منقطع ایک ہی ہے۔پس مرسل اس عام معنی (یعنی جس کی سند میں ایک یا زیادہ راوی محذوف ہوں،کسی بھی جگہ سے)،کے لحاظ سے منقطع کی سب قسموں پر مشتمل ہے۔اور اس معنی کے لحاظ سے مرسل کو امام شافعی سے پہلے کسی نے بھی رد نہیں کیا،اگرچہ بعض نے اس پر کلام کیا۔(الملخص فی علوم الحدیث:ص ۳۶،۳۷ملخصا)

سند سے راوی کا محذوف ہونا اگر قصدا ایہام سماع کے ساتھ ہو،(یعنی سننے والا کو یہ خیال دلانا ہو کہ راوی نے یہ حدیث شیخ سے سنی ہے) تو اسے مدلس کہتے ہیں،ورنہ مرسل۔مرسل میں سقوط کبھی خفی ہوتا ہے،تو اسے مرسل خفی کہتے ہیں،اور کبھی واضح ہوتا ہے تو اسے مرسل جلی کہتے ہیں۔خفی اور جلی ہونا امور اضافیہ میں سے ہے،ناقدین کے مراتب کے لحاظ سے۔(الملخص فی علوم الحدیث:ص ۳۹)۔نیز دیکھیے:فتح الملہم :۱/۱۰۷۔مذکورہ تعریف تدلیس کی ایک قسم تدلیس الاسناد کی ہے۔اس کی دوسری قسم کو تدلیس الشیوخ کہتے ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ راوی اپنے شیخ کا ذکر کسی غیر معروف نام،لقب یا کنیت ونسب سے کرے۔

۴۶،۴۷:المعنعن والمؤنن:معنعن وہ ہے جس کی سند میں عن فلان عن فلان ہو،اخبار،تحدیث،سماع وغیرہ کی تصریح کے بغیر۔اور مؤنن وہ ہے جس کی سند میں فلان ان فلانا ہو۔یہ دونوں متصل سمجھی جائیں گی بشرطیکہ عن سے روایت کرنے والا مدلس نہ ہو،اور راوی ومروی عنہ میں امکان لقاء ہو۔دیگر جو الفاظ سماع میں صریح نہیں جیسے قال ،روی،حدث وغیرہ ان کا بھی یہی حکم ہے۔

۴۸: المزید فی متصل الاسانید:متصل سند میں کوئی راوی ایک ایسے راوی کا اضافہ کردے جو دوسروں نے ذکر نہ کیا ہو۔بعض دفعہ یہ زیادت مقبول ہوتی ہے،اور بعض دفعہ مردود۔

۴۹-۵۲ : الحدیث القدسی و المرفوع والموقوف والمقطوع:قرآن مجید کے الفاظ اور معنی

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

دونوں اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہیں۔حدیث قدسی کے معنی اللہ تعالی کی طرف سے وحی ہیں،اورالفاظ کے بارے میں دونوں قول ہیں۔جواہل علم حدیث قدسی کے الفاظ بھی من جانب اللہ وحی ہونے کے قائل ہیں،وہ قرآن مجیداور حدیث قدسی میں متعددفرق بیان کرتے ہیں۔جیسے معجزہ ہونا،تلاوت کیا جانا،روایت بالمعنی جائز نہ ہونا،تواتر سے منقول ہوناوغیرہ۔حدیث قدسی کوآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کی طرف نسبت کرکے بیان فرمایا ہے۔حدیث قدسی کے موضوع پر مستقل تصانیف بھی ہیں جن میں سے ایک اہم مناوی کی ''الاتحافات السنیۃ فی الاحادیث القدسیۃ'' ہے۔(مأخذہ: منہج النقد :ص۳۲۴،۳۲۵،قواعدالتحدیث:ص۶۵،۶۶،مباحث فی علوم القرآن:ص۲۲، مناہل العرفان:۱/۵۰،۵۱) جس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہواسے مرفوع ،جس کی نسبت صحابی کی طرف ہواسے موقوف،اورجس کی نسبت تابعی کی طرف ہواسے مقطوع کہتے ہیں۔موقوف اورمقطوع کی حیثیت مرفوع کی شرح کی ہے۔صحابہ اورتابعین کے عمل اورفتاوی کے بغیرمرفوع احادیث کی مراد پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔مولاناشبیراحمدعثانی فرماتے ہیں:امت کی تلقی بالقبول حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بڑی بنیاد ہےاوراخبار(آحاد) کے قبول وردکاایک بڑامعیارہے۔(فتح الملہم :۱/۳۴)

ہمارے ائمہ متقدمین امام ابویوسف ،محمد،طحاوی ،خصاف ،کرخی وغیرہ اپنی کتب میں سند کے ساتھ حدیثیں لکھواتے تھے۔متاخرین سرخسی ،مرغینانی ،کاسانی وغیرہ نے متقدمین ائمہ حنفیہ کی کتب پراعتمادکرتے ہوئے اختصاراسندیں حذف کردیں اورمتون نقل کردیے۔جیسے مصابیح اورمشکاۃ کے مصنفین نے کیا ہے۔بعد میں آنیوالے مخرجین کے سامنے متقدمین کی سب کتابیں نہیں تھیں، تو انھوں نے متاخرین کی کتب سے ان احادیث کی تخریج کی اور جو حدیثیں متاخرین کی کتب میں نہیں ملیں ان کے بارے میں لم یوجد،غریب وغیرہ کے الفاظ کہے۔اس کی وجہ متقدمین ائمہ کی کتب کی عدم دستیابی ہے۔حافظ ابن حجرفرماتے ہیں کہ حدیث کی بہت سے کتابیں، بلکہ اکثرکتابیں مشرقی ممالک میں فتنوں اور ہنگاموں کی نذرہوکرنابودہوچکی ہیں۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: المدخل الی اصول الحدیث علی منہج الحنفیۃ :ص۲۳۱-۲۳۴،مولاناعبدالمجید ترکمانی ، فتاوی بینات: ۲/۶۴-۷۸۔(باقی آئندہ)

مقام صحابہ قرآن کریم کی روشنی میں

مولانا شفیق احمد اعظمی

صحابی کی تعریف:

علماء متقدمین ومتاخرین نے صحابی کی تعریف میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس صاحب ایمان شخص کو صحابی کہا جائے گا جس نے ایمان کی حالت میں خاتم النّبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کیا اور اسی ایمان کے ساتھ وفات پائی، اور ظاہر ہے کہ وہ نابینا حضرات یا صحابہ کے نومولود بچے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں لائے گئے ان سب کو ملاقات حاصل ہے لہٰذا بلاتردد جماعت صحابہ میں ان کا شمار ہوگا۔

اس طرح کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کا پاکیزہ گروہ اس زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے جس کے بارے میں علماء اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف کا بالاتفاق قول ہے کہ سب کے سب نجوم ہدایت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَصْحَابی کالنُّجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم ۔ (ترمذی) گروہ صحابہ کا وجود، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ومحبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے عالمگیر پیغام رسالت کو خطہ ارضی کے ہر گوشہ تک اس کی حقیقی روح کے ساتھ پھیلایا اور اس طرح آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمۃ للعالمین ہونا بھی ثابت کردیا اور وما ارسلناک الا کافة للناس (سورہ سباء: ۲۸) کی تفسیر بھی دنیا کے سامنے پیش کردی گئی۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ برگزیدہ جماعت کے ذریعہ اسلام کا تعارف بھی کرادیا گیا اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ اور سنت کو عام کیا گیا اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو الگ رکھ کر ان کو عام انسانوں کی طرح خاطی وعاصی تصور کر کے غیر معتبر قرار دیا جائے گا تو اسلام کی پوری عمارت ہی منہدم ہوجائے گی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت معتبر رہے گی نہ قرآن اور اس کی تفسیر اور حدیث کا اعتبار باقی رہے گا کیونکہ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ من جانب اللہ ہم کو عطاء کیا ہے وہ ہم تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کی معرفت پہنچا ہے خود معلم انسانیت محمد عربی نے اپنے جاں نثار اطاعت شعار صحابہ کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ کرام نے اوّل اوّل، زبان رسالت سے آیات اللہ کو ادا ہوتے سنا تھا اور کلام رسول کی سماعت کی تھی پھر

دونوں کو دیانت وامانت کے ساتھ اسی لب ولہجہ اور مفہوم ومعانی کے ساتھ محفوظ رکھا اور بحکم رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دوسروں تک پہنچایا کیونکہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تبلیغ کا مکلف بنایا تھا...
بَلّغُوْ عَنِّی وَلَوْ آیۃً (بخاری ومسلم) میری جانب سے لوگوں کو پہنچادو اگر چہ ایک آیت ہی ہو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درسگاہ نبوت میں حاضری کا مکلّف ایک خاص حکم کے ذریعہ بنایا تھا کہ ہر وقت ایک متعدبہ جماعت اللہ کے رسول کی خدمت میں اسلام سیکھنے کیلئے حاضر رہے اس لئے کہ کب کوئی آسمانی حکم اور شریعت کا کوئی قانون عطا کیا جائے، لہٰذا ایک جماعت کی آپ کی خدمت میں حاضری لازمی تھی اور ان کو بھی حکم تھا کہ جو حضرات خدمت رسالت میں موجود نہیں ہیں ان تک ان نئے احکام اور آیات کو پہنچائیں۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورہ توبہ:۱۲۲)

ترجمہ: ''اور مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ سب کے سب چلے جائیں۔ تو کیوں نہ ہر فرقہ میں سے نکلی ایک جماعت جو مہارت ورسوخ حاصل کرتی دین میں اور تاکہ ڈرائیں اپنی قوم کو جب کہ وہ لوٹ کر آئیں ان کے پاس ہوسکتا ہے کہ وہ ڈریں۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ صحابہ کرام سے محبت وعقیدت کے بغیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت نہیں ہوسکتی اور صحابہ کرام کی پیروی کئے بغیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا تصور محال ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ عین اسلام اور اتباع سنت ہے اور ان کے ایمان کے کمال و جمال، عقیدہ کی پختگی، اعمال کی صحت واچھائی اور صلاح وتقویٰ کی عمدگی کی سند خود رب العالمین نے ان کو عطا کی ہے اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قولِ پاک سے اپنے جاں نثاروں کی تعریف وتوصیف اور ان کی پیروی کو ہدایت وسعادت قرار دیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی انسان تھے ان سے بھی بہت سے مواقع پر بشری تقاضوں کے تحت لغزشیں ہوئی ہیں لیکن لغزشوں، خطاؤں، گناہوں کو معاف کرنے والی ذات اللہ کی ہے اس نے صحابہ کرام کی اضطراری، اجتہادی خطاؤں کو صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس معافی نامہ کو قرآن کریم کی آیات میں نازل فرما کر قیامت تک کیلئے ان نفوس قدسیہ پر تنقید وتبصرہ اور جرح وتعدیل کا دروازہ بند کردیا اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے ایمان کی صداقت اور اپنی پسندیدگی کی سند بھی بخشی ہے اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا جماعت صحابہ کرام پر نقد وتبصرہ کی مرتکب ہوتی ہے تو اس کو علماء حق نے نفس پرست اور گمراہ قرار دیا ہے ایسے افراد اور جماعت سے قطع تعلق ہی میں خیر اور ایمان کی حفاظت ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت (خواہ کبار صحابہ ہوں یا صغار صحابہ) عدول ہے اس پر ہمارے ائمہ سلف اور علماء

خلف کا یقین وایمان ہے۔قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق آیات پر ایک نظر ڈالئے پھر ان کے مقام ومرتبہ کی بلندیوں کا اندازہ لگائیے اس کے بعد بھی اگر کسی نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی جرأت کی ہے تو اس کی بدبختی پر کفِ افسوس ملئے۔

صحابہ سراپا ادب اور پیکر تقویٰ تھے:

اِنّ الـذِیـنَ یَـغُـضُّوُنَ اَصْواتَھم عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ اُولٰئِکَ الّذِیْنَ اِمْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوبَھُم لِلتَّقْویٰ لَھُم مَغْفِرۃٌ وَاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۔(سورہ الحجرات:۳)

ترجمہ: بیشک جولوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالی نے تقویٰ کیلئے خالص کر دیا ہے ان لوگوں کیلئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

صحابہ کفر وفسق سے محفوظ تھے:

وَاعْلَمُوْا اَنّ فِیْکُمْ رَسُولُ اللّٰهِ لَو یُطِیعُکم فِی کَثیرٍ مِنَ الْاَمرِ لَعَنِتُّمْ وَلکِنّ اللّٰهَ حَبّبَ اِلَیْکُم الاِیْـمَـانَ وَزَیّنَـه فِـی قُـلُـوْبِـکُـمْ وکَـرّہَ اِلَـیْـکُـمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالعِصْیَانَ اُوْلٰئِکَ ھُمُ الرّاشِدُوْنَ(سورۃ الحجرات:۷)

ترجمہ:’’اور جان رکھو کہ تم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر بہت سے کاموں میں تمہاری بات مان لیا کریں تو تم پر مشکل پڑے لیکن اللہ تعالی نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کی (تحصیل) کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا اور کفر وفسق اور عصیان سے تم کو نفرت دیدی ایسے ہی لوگ اللہ کے فضل اور انعام سے راہ راست پر ہیں۔‘‘

صحابہ عبادت کے خوگر اور رحمدل تھے:

مُـحَـمّـدٌ رّسُـوْلُ الـلّٰـهِ وَالّـذِیْنَ مَعَه اَشِدّاءُ عَلَی الْکُفّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ تَراھُمْ رُکّعًا سُجّدًا یَبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوانًا سِیْمَاھُم فِی وُجُوْھِھِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سورہ فتح:۲۹)

ترجمہ:’’محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اور اللہ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کی (عبدیت) کے آثار سجدوں کی تاثیر سے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔‘‘

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب سورہ فتح کی تفسیر کرتے ہوئے معارف القرآن جلد ۸ میں تحریر کرتے ہیں:

قرآن مجید کی بہت سی آیتوں میں اس کی تصریحات ہیں جن میں چند آیات اسی سورۃ میں آچکی ہیں: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ، اور، اَلْزَمَھُمْ کَلِمَۃَ التَّقْوٰی وَکَانُوْا اَحَقَّ بِھَا وَاَھْلَھَا، انکے علاوہ بہت سی آیات میں یہ مضمون مذکور ہے، یَوْمَ لَا یُخْزِ اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مَعَہٗ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ اور سورہ حدید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بارے میں فرمایا ہے: وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی.

یعنی ان سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ کا وعدہ کیا ہے پھر سورہ انبیاء میں حسنیٰ کے متعلق فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَھُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْھَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے حسنیٰ کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے وہ جہنم کی آگ سے دور رکھے جائیں گے۔

صحابہ پر طعنہ زنی جائز نہیں:

امام المفسرین علامہ قرطبی اپنی مشہور و معروف تفسیر قرطبی جلد نمبر پر رقم طراز ہیں: یہ جائز نہیں کہ کسی بھی صحابی کی طرف قطعی اور یقینی طور پر غلطی منسوب کی جائے اس لئے ان سب حضرات نے اپنے اپنے طرز عمل میں اجتہاد سے کام لیا تھا اور ان سب کا مقصد اللہ کی خوشنودی تھی یہ سب حضرات ہمارے پیشوا ہیں اور ہمیں حکم ہے ان کے باہمی اختلافات میں کف لسان کریں اور ہمیشہ ان کا ذکر بہتر طریقہ پر کریں، کیونکہ صحابیت بڑی حرمت (وعظمت) کی چیز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو برا کہنے سے منع فرمایا ہے اور یہ خبر دی ہے کہ اللہ نے انہیں معاف کر رکھا ہے اور ان سے راضی ہے۔(بحوالہ معارف القرآن، ج:۸۔)

ہر مشکل کا حل اتباع صحابہ:

آج ہم مسلمانوں کو عالمگیر سطح پر مشکلات کا سامنا ہے ہر محاذ پر ناکامی اور پسپائی ہے دشمنان اسلام متحد اور اسلام کو مٹانے پر متفق ہیں مسلمانوں پر طرح طرح سے الزامات اور بہتان تراشی ہو رہی، پوری دنیا میں اسلام کی شبیہ کو خراب کرنے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے میں میڈیا سرگرم ہے یورپ میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کی لہر چل رہی ہے، ہم ایک خطرناک اور نازک دور سے گذر رہے ہیں ان حالات میں صحابہ کرام کی مثالی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے ان پاکیزہ نفوس کو بھی ان حالات کا سامنا تھا بلکہ بعض اعتبار سے آج کے حالات سے زیادہ خطرناک صورت حال تھی مکہ میں ابتلاء و آزمائش کے شدید دور سے گذرتے تھے تعداد بھی کم تھی اور وسائل بھی نہیں، حدیبیہ میں یہودیوں اور

منافقوں کی فتنہ انگیزیاں اور سازشیں تھیں، مشرکین مکہ کے حملے اور یہودی قبائل سے لڑائیاں تھیں پھر دائرہ وسیع ہوا تو قیصر روم اور کسریٰ کے خطرناک عزائم تھے ان سب حالات کا مقابلہ صحابہ کرام نے جس حکمت عملی اور صبر و استقامت سے کیا وہی تاریخ ہم کو دہرانی پڑے گی، اس لئے ضروری ہے کہ ہم سیرتِ صحابہ کا مطالعہ کریں ان کو اپنا رہنما و مقتدا جان کر اِس محبت وعقیدت سے ان کی پیروی کریں کہ ان کا ہر عمل اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ ہے صحابہ ہمارے لئے معیارِ حق اور مشعل راہ ہیں ان کی شان میں کسی قسم کی گستاخی گوارہ نہیں ان کی عظمت شان کی بلندیوں تک کسی کی رسائی نہیں عصر حاضر میں ان حضرات کی پیروی گذشتہ صدیوں کے مقابلہ میں زیادہ ضروری اور اہم ہے اور کامیابی کا تصور اس کے بغیر ممکن نہیں۔

میں نے چند آیات کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے ورنہ ان کے علاوہ اور بہت سی آیات میں ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے ہیں جبکہ کتب احادیث میں مناقب صحابہ ایک مستقل باب ہوتا ہے جس میں انفرادی طور پر کبار صحابہ کے مناقب بھی ہیں اور مجموعی طور پر تمام اصحاب رسول کی عظمت وجلالت کا ذکر بھی ہے۔☆☆

دعوت دین کا اسلوب

دعوت کی کامیابی میں مرکزی کردار داعی کا ہے۔ داعی جس قدر تربیت یافتہ اور انسانی نفسیات کا عالم ہوگا، اسی قدر اس کی دعوت موثر ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے موثر ہونے کی ایک اہم وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی کردار تھا تو دوسری بنیادی وجہ آپ کا اسلوب دعوت تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مخاطبین کی ذہنی استعداد، میلانات، رجحانات اور ان کے خاندانی وعلاقائی پس منظر کو سامنے رکھ کر دعوت کا فریضہ انجام دیا۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی متعین طریقِ دعوت نہ تھا بلکہ مخاطبین دعوت کے تبدیل ہونے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلوب دعوت بھی تبدیل ہو جاتا تھا۔ ایک جاہل اور اَن پڑھ مخاطب کو دعوت دینے کا انداز پڑھے لکھے اور شہر کے رہنے والے فرد سے مختلف ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی زندگی کا مطالعہ ہر داعی اسلام کے لیے اس حوالے سے دلچسپ بھی ہے اور قابل تقلید بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مخاطب کی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر اس کو دعوت پیش کی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے بعد لوگ مطمئن ہو کر واپس جاتے تھے۔ دعوت دین کا یہ وہ اسلوب ہے جو اللہ تعالی نے براہ راست اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعوت دین کے ان ہی مختلف اسالیب کی تعلیم دی اور پھر صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور طرز عمل کو ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

تاریخ اسلامی اور سن ہجری کا آغاز

مولانا عبدالاحد کشمیری

قمری ہجری سال کو اسلامی تقویم کہا جاتا ہے۔ہجری تقویم سے مراد تو اریخ کا حساب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ کی جانب ہجرت سے لگاتا ہے۔سال میں جو مہینے ہوتے ہیں ان میں محرم الحرام اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے۔اس مہینے کی احادیث مبارکہ میں بڑی فضلیت آئی ہے۔اس ماہ میں کئی اہم تاریخی واقعات رونما ہوئے۔ اس ماہ کی دسویں تاریخ کو نواسہ رسول، جگر گوشہ بتول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی۔اسلامی سال کا آغاز کیسے ہوا اس کی تاریخ کیا ہے؟

حضرت امیر المومنین فاروق اعظم سیدنا عمر ابن الخطابؓ کے زمانہ خلافت میں اسلام دنیا کے اکثر و بیشتر حصّوں میں پہنچ گیا تھا۔دنیا کے ایک بہت بڑے خطے پر حضرت فاروق اعظمؓ کی اسلامی حکومت کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔حضرت عمرؓ مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہو کر ہر طرف کے حالات کی خیر و خبر خطوط کے ذریعہ لیتے رہتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو خط لکھا۔حضرت ابوموسی اشعریؓ نے جوابی خط میں تحریر فرمایا کہ امیر المومنین! آپ کے خطوط و فرامین ہمارے پاس پہنچتے ہیں لیکن ان پر کوئی تاریخ نہیں ہوتی،حالانکہ تاریخ لکھنے کے بے شمار فوائد ہیں،ریکارڈ کو محفوظ رکھنے میں مدد ملتی ہے۔آپ نے خط کس دن لکھا؟ کب روانہ کیا؟ کس دن اس پر عمل درآمد شروع ہوا؟ان سب باتوں کے جاننے کا دارو مدار تاریخ لکھنے پر موقوف ہے۔

امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے اس مدلل بات کو معقول جانا اور اس وقت شدید احساس ہوا کہ ایک مستقل تاریخ و سن کا ہونا ضروری ہے۔اسی کے پیش نظر مدینہ منورہ اور قرب و جوار کے علاقہ میں اعلان فرمادیا کہ امیر المومنین حضراتِ صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینا چاہتے ہیں،تمام صحابہ کرامؓ مسجد نبوی میں جمع ہوگئے۔امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسلامی تاریخ و سن کی اہمیت پر ایک عظیم خطبہ دیا۔اس وقت دنیا میں چار طرح کی تاریخیں مشہور و معروف تھیں:

(۱) تاریخ قمری،چاند کے حساب سے تاریخ دیکھنا

(۲) تاریخ عیسوی، عیسائیوں کی تاریخ، جس کو تاریخ شمسی سورج کے حساب سے تاریخ دیکھنا یعنی موجودہ انگریزی تاریخ

(۳) تاریخ عبرانی، یہودیوں کی تاریخ

(۴)۔تاریخ جولیانی

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام ایک عالمگیر مذہب وملت ہے۔ اس کے مخاطب جہاں پڑھے لکھے افراد ہیں وہیں اَن پڑھ عوام بھی ہیں۔ شہر کے رہنے والے بھی، گاؤں اور دیہات کے باسی بھی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ چاند کے حساب کا انتخاب کیا جائے۔ کیوں کہ چاند کے اتار چڑھاؤ سے تاریخ کا پہچاننا آسان ہے بخلاف سورج کے کہ سورج ہر دن ایک ہی حال میں نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی چاند کے حساب کو پسند فرماتے تھے۔ تاریخ وسیر سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک چاند سے ہی تاریخ وایام کی دریافت ہوتی تھی۔ خود حق سبحانہٗ وتقدس تلاوت شدہ آیت میں چاند کے مہینوں کی تعداد بیان فرمارہے ہیں۔ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ۔ حضرات مفسرین تحریر فرماتے ہیں کہ ان بارہ مہینوں سے چاند کے بارہ مہینے مراد ہیں۔ یہ بات ازل سے لوحِ محفوظ میں لکھی جاچکی ہے کہ اللہ کے نزدیک سال میں بارہ مہینے ہیں بارہ مہینوں میں ایک سال مکمل ہوتا ہے۔ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ و الارْضَ، یہ اس دن سے طے ہے جس دن آسمان وزمین پیدا کیے گئے۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلامی سال چاند کے حساب سے ہوگا۔ اب بتلایئے اسلامی تاریخ کی ابتدا کہاں سے ہو؟

بعض حضرات صحابہؓ نے فرمایا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے شروع ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس میں عیسائیوں کے ساتھ تشبہ ہے کہ ان کی تاریخ کی ابتداء حضرت عیسیٰ مسیح کی پیدائش سے ہوتی ہے۔ بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ جب آپ علیہ السلام کو نبوت ملی، اس دن سے تاریخ اسلامی کی ابتداء ہو۔ امیر المومنین نے فرمایا کہ نبوت کا ابتدائی زمانہ اسلام ومسلمانوں پر ظلم وناانصافی کا زمانہ ہے۔ بعض صحابہؓ نے فرمایا کہ آپؐ کی وفات سے شروع ہو، حضرت عمرؓ نے اس رائے کو بھی رد فرمادیا، اور فرمایا آپؐ کی وفات حسرت آیات امت مسلمہ کے لئے حادثہ کبریٰ اور نقصانِ عظیم ہے۔ اس سے تاریخ اسلامی کی ابتدا مناسب نہیں، پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے خود فرمایا تاریخ اسلامی کی ابتداء ہجرت سے شروع ہو۔ اس لئے کہ ہجرت ہی سے حق وباطل کے درمیان فرق وامتیاز قائم ہوا۔ شعائر اسلام یعنی جمعہ اور عیدین کی نمازیں علی الاعلان ادا کی گئیں۔ ہجرت ہی سے اسلام کو فتوحات ملیں۔

اب پھر سوال ہوا کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء کس مہینے سے ہو؟ بعض نے کہا کہ رمضان سے اسلامی سال شروع

ہو،خلیفہ راشد دامادِ رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، جس مہینہ حضور نے ہجرت فرمائی اسی مہینہ سے اسلامی سال شروع ہو،حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول کے مہینہ میں ہجرت فرمائی لیکن ہجرت کا ارادہ ماہ محرم ہی سے فرما چکے تھے۔اس لئے اسلامی تاریخ کے سال کی ابتدا محرم الحرام سے شروع ہو۔حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ محرم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شهر اللّٰه المحرم یعنی محرم اللہ کا مہینہ قرار دیا ہے۔اس مہینہ تک عموماً حجاج کرام حج سے فارغ ہو کر اپنے اپنے وطن لوٹ آتے ہیں۔

لہذا اسلامی سال کی ابتداء محرم الحرام سے ہونا طے پا گیا، رئیس المفسرین حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سورۃ الفجر...... و الْفَجْرِ وَ لَيَالٍ عَشْرٍ میں جو اللہ نے فجر کی قسم کھائی ہے وہ محرم کی پہلی تاریخ کی فجر ہے جس سے سال شروع ہوتا ہے۔یہ ہے تاریخ اسلامی کی ابتدائی حقیقت، اس آیت کے ضمن میں حضرات مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ چاند کے تاریخی حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے۔اگر ساری امت نے اس قمری حساب کو ترک کر دیا بھلا دیا تو سب کے سب گنہگار ہوں گے، کتنے افسوس کا مقام ہے ہم میں کتنے مسلمان ایسے ہیں جن کو اسلامی مہینوں کے نام تک یاد نہیں سن و سال تو دور کی بات ہے۔اگر دینِ اسلام کی عیدین و رمضان چاند کے حساب سے نہ ہوتے تو یقیناً قمری تاریخ کا نام ونشان باقی نہ رہتا۔لہذا ہر مسلمان مرد و عورت کو اس کا اہتمام کرنا چاہئے، بعض نادان لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی سال کی ابتداء حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے ہوئی، یہ غلط ہے اس لئے کہ اسلامی تاریخ کی ابتداء ۱۷ھ میں حضرت عمر فاروقؓ کے حکم سے ہوئی، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ۶۰ھ میں بروز جمعہ دس محرم زوال کے شروع وقت میں ہوئی ہے۔

یاد رکھیۓ!......محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشورہ کا روزہ حدیثِ رسول سے ثابت ہے۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کا ایک روزہ رکھا کرتے تھے۔حضرات صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے دن ہم بھی روزہ رکھتے ہیں یہود بھی روزہ رکھتے ہیں، اس طرح ہماری اور ان کی مشابہت ہوتی ہے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: فَإِذَا كَانَ الْعَامُ الْمُقْبِلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صُمْنَا يَوْمَ التَّاسِعِ ''ان شاء اللہ جب اگلا سال آئیگا تو ہم نویں تاریخ کو بھی روزہ رکھ لیں گے۔'' بجائے ایک کے دو روزے رکھیں گے۔حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں اگلے سال کا محرم آنے سے پہلے ہی آپؐ کی وفات ہوگئی۔اس حدیث کی بنیاد پر علماء کرام لکھتے ہیں محرم کی دسویں تاریخ کے روزہ کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ رکھ لیں یا پھر دسویں کے ساتھ گیارھویں تاریخ کا روزہ رکھ لیں۔

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

اردو ترجمہ کی روایت، ادبی محاسن اور اصول

محمد احمد حافظ

ہمارے دینی حلقوں میں ترجمے کی روایت کافی مستحکم ہے۔تفسیر وحدیث، سیرت وسوانح، تاریخ وادب کی بے شمار کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ان میں اکثر کتابیں وہ ہیں جن کے بارے بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ واقعی ان کا ترجمہ ہونا چاہیے تھا،البتہ یہ الگ بات ہے کہ معیاری تراجم کیت کے اعتبار سے کم ہیں۔

آج کل درسی کتابوں کے ترجمے اور شرح کا کافی رجحان ہو گیا ہے۔اگرچہ اس رجحان کی وجہ سے طلبہ کی استعداد یں داؤ پر لگ گئی ہیں،مگر یہ ایسی رَو ہے جس پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔یہ رجحان کسی معیار کے ساتھ سامنے آتا تو کچھ گوارا تھا۔دیکھا گیا ہے کہ جس استاذ نے ایک مرتبہ ''معلم الانشاء'' پڑھادی آئندہ برس کے آغاز میں ہی ان کی جانب سے ترجمہ وتسہیل کے نام پر کتاب بازارِ کتب میں آجائے گی۔

ترجمہ بجائے خود ایک تخلیقی عمل ہے جو کسی ایک زبان کے معنیٰ ومطالب، علوم وفنون، تحریر یا تصنیف کو دوسری زبان میں منتقل کرنے کا نام ہے۔ترجمہ کے ذریعے دوسری اقوام کے خیالات وافکار، ثقافت اور معاشرت سے آگاہی ہوتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی کے بقول:

''ترجمہ کی اہمیت یہ ہے کہ ایک طرف اس کے ذریعے نئے خیالات زبان میں داخل ہوتے ہیں؛ جس سے ذہنی جذب وقبول کا سلسلہ جاری رہتا ہے،دوسرے زبان کی قوت اظہار میں نئے امکانات پیدا ہوتے ہیں۔یعنی جس زبان میں ترجمے کیے جائیں اس کے ادب کو جدید خیالات کے ساتھ ساتھ نئی تشبیہات اور استعارات ملتے ہیں۔اور اس زبان کو نئی جہت اور وسعت حاصل ہوتی ہے۔زبان ایک نئے مزاج کے ساتھ روشناس ہوتی ہے اور نئے لہجوں کو اپنے مزاج میں جذب کرتی ہے۔''

ڈاکٹر احمد امتیاز،اپنے مضمون ''اردو میں ادبی ترجمے کی روایت'' میں کہتے ہیں:

''ترجمہ ایک ایسا فن ہے جس کے بغیر دوسری زبانوں کے علوم وفنون سے آشنائی نہیں ہوسکتی اور اس کے بغیر کوئی بھی زبان جدید اور ترقی پذیر ہونے کا دعوی بھی نہیں کرسکتی۔ترجمہ ہی وہ فن ہے جس کے ذریعے سے ایک قوم دوسری

قوم کے ذخیرہ علم وادب سے آشنا ہوتی رہی ہے۔‘‘

بلا شبہ اردو زبان کے بارے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اردو زبان نے عربی فارسی کے بے شمار الفاظ، تشبیہات، استعارات، تلمیحات، کنایات وعلامات اور محاورات کو اپنے اندر جذب کیا ہے۔ اس میں تراجم بہت بڑا عامل رہے ہیں۔

ہمارے دینی حلقوں میں عربی اور فارسی کی بے شمار علمی، ادبی، تحقیقی، تاریخی، درسی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان تراجم نے جہاں اردو کے علمی خزانوں کو مالا مال کیا وہیں عربی اور فارسی تہذیب وتمدن اور ثقافت سے بھی بہرہ ور کیا ہے۔

یہ طے شدہ بات ہے کہ ترجمہ کوئی سہل چیز نہیں ہے۔ اپنی اہمیت وافادیت کے باوجود ترجمہ نگاری کا فن نزاکت، دِقتِ نظر اور باریک بینی کا متقاضی ہوتا ہے۔ ترجمے کے لیے سب سے اہم عنصر اصل کے ساتھ تطابق ہوتا ہے۔ جب تک جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے اور جس زبان میں کیا جارہا ہے؛ دونوں پر مکمل عبور نہ ہو، دونوں زبانوں کے تہذیبی، ثقافتی اور معاشرتی پہلوؤں سے بھرپور آگاہی نہ ہو تو ترجمہ نگاری کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ہر زبان کی اپنی بعض خاص اصطلاحات، استعارات، تلمیحات اور خاص روایات ہوتی ہیں، ان کا اپنا خاص تہذیبی پس منظر اور سیاق وسباق ہوتا ہے۔ بسا اوقات ان کا ترجمہ ممکن بھی نہیں ہوتا، محض مفہوم ادا کیا جاسکتا ہے۔ اگر ترجمے کے دوران ان پہلوؤں اور نزاکتوں کو مدنظر نہ رکھا جائے تو غلط اور نامکمل ترجمے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

تراجم میں ادبی محاسن کی منتقلی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر اشرف رفیع یوں رقمطراز ہیں:

"ایک زبان کے تخلیقی ادب کو دوسری زبان میں منتقل کرنا، بڑا دشوار اور نازک کام ہوتا ہے۔ ادب اور بالخصوص شعری ترجموں میں اگر علمی ترجموں کی سی وفاداری اور اس کے منطقی ربط کو بہت زیادہ اہمیت دی جائے تو ضروری نہیں کہ اچھے نتائج حاصل ہوں کیوں کہ ادبی الفاظ، تلمیحات، تشبیہات، استعارے، کنائے، مثالیں، علامتیں، تراکیب اور محاورے ہر زبان میں اپنی جدا جدا شان رکھتے ہیں اور ان کے علمی اور لفظی ترجمے سے زیادہ ان کے مفہوم اور معنی کی ترجمانی اہم ہوتی ہے۔ اس لیے اکثر صورتوں میں ان کے مترادفات بلکہ مماثلات زیادہ موثر ہوسکتے ہیں کیوں کہ ادبی تراجم میں تاثیر کا ابلاغ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔"

درج بالا اقتباس سے ترجمہ میں صنائع اور بدائع کی منتقلی کی نہ صرف اہمیت بلکہ دشواری کا بھی پتہ چلتا ہے۔ چونکہ صنعتیں تحریر میں نگینے جڑنے کا نام ہے اور ترجمہ میں ان نگینوں کو ٹھیک ان کی جگہ پر منتقل کرنا اور بھی دشوار گذار کام ہے۔ جہاں ایک جانب مترجم کو متن سے وفاداری نبھانی ہے وہیں ساتھ میں یہ مسئلہ بھی ہے کہ یہ وفاداری ترجمہ شدہ

متن کے حسن کو خاک میں ملا سکتی ہے۔اس لیے مترجم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ترجمہ شدہ عبارت سلیس اور رواں رکھے۔چناں چہ علماءادب نے ترجمے کے لیے چند خطوط متعین کیے ہیں:

۱......ترجمے کے عمل سے پہلے الفاظ کے صحیح ترجمے تک رسائی ہے۔دوسرے نمبر پر اصل متن کے جملے کی ساخت :مبتدا،خبر،مضاف،مضاف الیہ،مسند مسندالیہ کی درست پہچان ،اس کے بعد جملے کا درست مفہوم ذہن نشین ہونا ضروری ہے۔چناں چہ مترجم کے لیے شرط ہے کہ وہ زبان کے اصل مواد کو مکمل طور پر سمجھنے میں پوری قدرت رکھتا ہو،اور اصل مصنف کے بحث ودلائل کو برتنے اور انہیں آگے بڑھانے کی تکنیک کا بخوبی احاطہ کرتا ہو۔

۲......مترجم نہ صرف اصل زبان سے پورے طور پر آشنا ہو بلکہ متن کا جس مصنف سے تعلق ہو اس مصنف کے افکار وخیالات اور رجحانات سے بھی پوری واقفیت رکھتا ہو۔

۳......مترجم اصل متن کا محض لفظی ترجمہ پیش نہ کرے بلکہ جس زبان کا ترجمہ کیا جارہا ہے اس کی کہاوتوں،ضرب الامثال،اصطلاحات اور مخصوص معاشرتی طور طریقوں کو بھی بخوبی جانتا ہو۔کہاوتوں،ضرب الامثال اور محاورات کا تہذیب وثقافت سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔اس لیے بسا اوقات محض لفظی ترجمہ سمجھ سے بالا اور ناموزوں ہوتا ہے۔یہی بات تقاضے کے طور پر جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے؛کے بارے کہی جائے گی۔مثلاً آپ عربی سے اردو میں ترجمہ کررہے ہیں تو اردو زبان پر عبور بھی ضروری ہے۔

۴......ترجمے میں ایسے الفاظ،تراکیب،محاورات،اورضرب الامثال کا استعمال کیا جائے جو لوگوں کے روزمرہ کے استعمال میں ہوں،جو عام لوگوں کی بول چال میں ہو،بلاضرورت نئے الفاظ کی اختراع نہ کی جائے۔

۵......ترجمہ کرنے والے کو وقت کے بہترین نثر نگاروں،ادیبوں،شاعروں کے رشحات قلم کا مطالعہ اور خطیبوں، مقرروں کے خطبات کا سماع کرتے رہنا چاہیے،ان کے عمدہ وموزوں الفاظ وتراکیب کو چن لیا جائے،بوقت ترجمہ مناسب مقام پر انہیں اس طرح استعمال کیا جائے کہ پڑھتے وقت قاری پر گراں نہ گزرے اور مفہوم اس کی روح تک اترتا چلا جائے۔

ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی اپنے ایک مضمون ''اچھا ترجمہ کیسے کریں؟''میں لکھتے ہیں:

''ترجمے کے ذریعے ایک زبان اور تہذیب کا دوسری زبانوں اور تہذیبوں سے تعارف ہوتا ہے۔ایک قوم کے علمی ذخیرے سے دوسری قومیں آگاہ ہوتی ہیں۔ایک انسانی گروہ کے تجربات سے دوسرے گروہوں کو فائدہ ہوتا ہے۔''

انہوں نے ترجمے کے خطوط متعین کرتے ہوئے لکھا ہے:

”☆...... ترجمہ کی اقسام:

۱۔لفظی ترجمہ۔ ۲۔آزاد ترجمہ۔ ۳۔لفظی اور آزاد کے بین بین ترجمہ۔

۴۔تشریحی ترجمہ۔ ۵۔ملخّص ترجمہ

ترجمہ کی تیسری قسم پسندیدہ سمجھی جاتی ہے۔

☆ مترجم کے پاس درج ذیل چیزیں فراہم رہنی چاہییں:

۱۔لغات (Dictionaries)۔ ۲۔معجم اصطلاحات ۳۔معجم امثال ومحاورات۔

۴۔معجم مترادفات واضداد۔ ۵۔مخصوص موضوعات کی معاجم: فقہ،معاشیات،طب،سائنس،ٹیکنالوجی۔

۶۔انسائیکلوپیڈیاز۔ ۷۔کمپیوٹر

☆......ترجمے کے مراحل:

۱۔سب سے پہلے مترجم پورے متن کا سرسری مطالعہ کرلے،تاکہ اسے موضوع کا فہم حاصل ہوجائے۔

۲۔پھر پورے متن کا ٹھہر ٹھہر کر مطالعہ کرے۔

۳۔اس کے بعد مشکل الفاظ ومعانی کو حل کرے۔

۴۔پھر متن کو سامنے رکھ کر ترجمہ کرے۔

۵۔ترجمہ مکمل کرنے کے بعد متن کو سامنے رکھے بغیر عبارت کو درست کرے اور روانی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

۶۔آخر میں پھر ترجمہ پر نظرِ ثانی کرے اور املا،قواعد اور اسلوب کی غلطیوں کو درست کرے۔

☆...... ترجمے کے اصول:

۱۔اصل عبارت ہر وقت مترجم کے پیش نظر رہنی چاہیے۔وہ بہر صورت متن کا پابند رہے۔

۲۔مترجم کو اصل عبارت میں اپنی جانب سے حذف،اضافہ یا ترمیم کا کوئی حق حاصل نہیں۔

۳۔ترجمہ میں سہولت کے لیے متن کا آگے پیچھے کرنا مناسب نہیں۔

۴۔جملے پیچیدہ اور طویل ہوں تو ترجمے میں انھیں چھوٹے جملوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۵۔اصطلاحات کا ترجمہ جوں کا توں ممکن نہ ہو تو قریب ترین مفہوم میں کیا جائے اور بہتر ہے کہ الگ سے ان کی فہرست دے دی جائے۔

۶۔محاورات اور امثال کا ترجمہ دوسری زبان کے محاورات وامثال سے ہوجائے تو بہتر ہے، ورنہ انھیں سادہ

الفاظ میں بیان کر دینا چاہیے۔

۷۔مترجم حسبِ ضرورت لغت سے ضرور مدد لے۔حافظہ پر کلّی بھروسہ مناسب نہیں۔

۸۔ترجمہ میں اصل کام خیالات کی صحیح ترسیل ہے،البتہ اسلوب رواں،شستہ اور جاذب ہو تو بہتر ہے۔

☆...... **اچھے مترجم کی بنیادی خصوصیات:**

ا۔جس متن کا وہ ترجمہ کر رہا ہے،اس کے موضوع سے اچھی طرح واقف ہو۔

۲۔اصل زبان پر اچھی قدرت ہو۔

۳۔جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہو،اس سے گہری واقفیت ہو۔

۴۔افکار کو امانت داری کے ساتھ بغیر اختصار و حذف کے منتقل کرے۔

۵۔صبر:بسا اوقات معانی کو حل کرنے میں وقت لگ سکتا ہے۔اس سے گھبراہٹ اور پریشانی کا شکار نہ ہو۔جب تک کسی پیچیدگی کو حل نہ کرلے،چین سے نہ بیٹھے،چاہے جتنا وقت لگ جائے۔''(انتہیٰ)

یہ چند اشارات ہیں جو سطور بالا میں ذکر کیے گئے۔ہمارے حلقوں میں اگرچہ کتابوں کا ترجمہ ہوتا ہے مگر عموماً دیکھا گیا ہے کہ ترجمہ کرنے والے عربی میں تو خوب درک رکھتے ہیں مگر اردو زبان وادب اور تحریر و انشا سے آشنائی نہیں ہوتی،یا عربی زبان وادب پر دسترس نہیں ہوتی،نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک بے ذائقہ قسم کا ترجمہ سامنے آجاتا ہے،جو نہ تو متن کے مفہوم کو صحیح طور پر ادا کرتا ہے اور نہ ہی اس میں کوئی ادبی چاشنی ہوتی ہے۔جو حضرات ترجمے کا شغف رکھتے ہوں انہیں متعلقہ زبانوں میں اپنا مطالعہ تازہ رکھنا چاہیے۔ان زبانوں کے زمانی اتار چڑھاؤ،متروکات اور جدید حصولات پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔یاد رکھیے معیاری تراجم ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور نسلیں ان سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔

☆...... ☆...... ☆

ماخذات:

تحقیق کے جدید رجحانات-ڈاکٹر جمیل جالبی

کالجوں میں اردو نصاب-مسائل اور تجاویز

اردو زبان کے نئے تکنیکی وسائل اور امکانات(ڈاکٹر خواجہ اکرام)

ماخوذ از مقالہ:اردو ترجمہ نگاری میں صنائع و بدائع:مسائل اور حل(ڈاکٹر اشرف رفیع)

متعدد ادبی ویب سائٹس سے استفادہ۔

شخصیت

حضرت مولانا قاری نذیر احمد گھوٹوی رحمتہ اللہ علیہ

جناب محمد اشفاق وسیر گھوٹوی

بلاشبہ موت وحیات اس عالم کون وفساد کا خاصہ ہے۔ یہاں جو آیا وہ جانے ہی کیلئے آیا، آنا اور جانا سنت بنی آدم ہے اور "کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ" حق تعالی کا تکوینی امر ہے جس سے کسی کو بھی مخلص نہیں، یہاں صبر وضبط، تسلیم و انقیاد اور رضاء بالقضاء کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔ تاہم بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی رحلت کے بعد ایسا خلاء پیدا ہو جاتا ہے کہ مستقبل میں اس کے پر ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، استاذ العلماء والحفاظ حضرت مولانا قاری نذیر احمد گھوٹوی نور اللہ مرقدہ کا شمار بھی انہی شخصیتوں میں تھا۔

آپؒ ایک نابغہء روزگار عالم، صوفی کامل، شریف الطبع، سادہ مزاج، وسیع المطالعہ، کثیر التلاوت، بااخلاق اور باخدا شخصیت کے حامل تھے۔ زہد وتقوی کی بنا پر نور ولایت آپؒ کے چہرے پر عیاں تھا۔ بارگاہ ایزدی سے آپؒ تمکنت سے مالا مال تھے۔ قادر الکلام اور فصیح اللسان بھی تھے۔ اگرچہ بڑے نرم مزاج اور مشفق تھے تاہم سنجیدگی اور متانت کے باعث رعب ودبدبہ کے مالک تھے۔ آپؒ کہنہ مشق استاذ تھے۔ آپؒ کی زندگی کی سب سے بڑی مشغولیت اور دلچسپی درس وتدریس اور مدرسے کے طلباء کی خدمت رہی۔ غرضیکہ آپؒ جامع المعقول والمنقول اور جامع الصفات والکمالات کا مصداق تھے۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

مقام ولادت وتاریخ پیدائش:

آپؒ کا آبائی علاقہ محمد پور گھوٹہ نزد قاسم بیلہ ملتان ہے جو علماء، صلحاء اور اتقیاء کا مسکن رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محمد پور گھوٹہ میں دینداری کا رجحان رہا ہے۔ ایسے وقت میں جب سفری سہولیات بالکل ناپید ہوتی تھیں دور دراز مقامات سے کثیر تعداد میں طلباء تحصیل علم دین کے لئے محمد پور گھوٹہ میں آتے رہے ہیں۔

مملکت خداداد پاکستان ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بروز جمعۃ المبارک کو معرض

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وجود میں آئی۔ قیام پاکستان کے اگلے دن ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ بمطابق ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء بروز ہفتہ کو اسی مردم خیز بستی محمد پور گھوٹہ میں آپؒ کی ولادت ہوئی۔

سلسلہ ءنسب وخاندان:

آپؒ اعوان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپؒ کا نسب نامہ یوں ہے حضرت مولانا قاری نذیر احمد گھوٹویؒ بن حضرت مولانا حافظ ضیاء الدین گھوٹویؒ بن حضرت مولانا حافظ حمید الدین گھوٹویؒ بن بحر العلوم حضرت مولانا حافظ جمال الدین گھوٹویؒ بن حضرت مولانا حافظ محمد صالح گھوٹویؒ بن حضرت مولانا حافظ محمد شریف گھوٹویؒ۔

ابتدائی تعلیم وتربیت:

گھریلو ماحول دین دارانہ تھا، جونہی شعور کی عمر میں پہنچے تو ابتدائی تعلیم قاعدہ، ناظرہ وغیرہ محمد پور گھوٹہ کے مرکزی مقام اور اپنے آباؤ اجداد کے قائم کردہ ادارے مدرسہ عربیہ گھوٹہ شریف میں حاصل کی۔ حفظ قرآن مجید کے لئے ۷ شوال المکرّم ۱۳۷۹ھ بمطابق ۱۹۵۹ء ملتان کی عظیم دینی درس گاہ جامعہ خیر المدارس میں مجوّد القراآت، مقری اعظم حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی کلاس میں داخلہ لیا۔ آپؒ نے مکمل قرآن شریف حضرت مقری اعظمؒ کے پاس حفظ کیا، گردان بھی کی اور قراآت عشرہ بھی پڑھیں۔ تقریباً چار سال آپؒ قاری صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ قاری صاحبؒ سے آپؒ کا بڑا گہرا تعلق تھا۔ جانبین سے انس ومحبت بے حد پائی جاتی تھی۔

درس نظامی کا آغاز:

آپؒ نے درس نظامی کی کتب کا آغاز مدرسہ عربیہ گھوٹہ شریف میں اپنے چچا استاذ العلماء والحفاظ حضرت مولانا حافظ رفیع الدین گھوٹویؒ سے کیا۔ ابتدائی درجات آپؒ نے یہیں سے پڑھے۔ مزید تحصیل علم کے لئے آپؒ دارالعلوم عیدگاہ کبیر والہ میں تشریف لے گئے، درجہ مشکوۃ تک آپؒ یہاں پڑھتے رہے۔ دارالعلوم میں آپؒ نے جن اساتذہ سے استفادہ کیا اُن کے نام درج ذیل ہیں۔

۱...... جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالخالق نور اللہ مرقدہ (فاضل دارالعلوم دیوبند وبانی دارالعلوم کبیر والہ)

۲...... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی علی محمد رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

۳...... حضرت مولانا فیض علی شاہ ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

۴...... حضرت مولانا منظور الحق رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

۵...... حضرت علامہ ظہور الحق رحمۃ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

۶......حضرت مولانا صوفی محمد سرور رحمتہ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور)

۷......حکیم العصر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ (بانی جامعہ باب العلوم کہروڑپکا ضلع لودھراں)

دورہ حدیث کی تکمیل

دورہ حدیث کی تکمیل کے لئے آپؒ جامعہ قاسم العلوم کچہری روڈ ملتان تشریف لے گئے اور ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۸ء میں سند الفراغ حاصل کی۔ اساتذہ دورہ حدیث:

۱...... شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمود رحمتہ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

۲...... ولی کامل حضرت مولانا مفتی عبداللہ ڈیروی رحمتہ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند)

۳...... شیخ التفسیر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ملتانی رحمتہ اللہ علیہ (فاضل جامعہ امینیہ دہلی)

۴...... حضرت مولانا اعزاز احمد رحمتہ اللہ علیہ (فاضل جامعہ قاسم العلوم ملتان)

۵...... حضرت مولانا محمد انور شاہ رحمتہ اللہ علیہ۔

۶...... حضرت مولانا عبدالقادر قاسمی رحمتہ اللہ علیہ (علی پور ضلع مظفر گڑھ)

۷...... حضرت مولانا مفتی عبداللطیف رحمتہ اللہ علیہ۔

۸...... سید القراء حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی رحمتہ اللہ علیہ (فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان)

سند واجازت حدیث:

۹ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹ مارچ ۱۹۷۸ء کو ملک کی ممتاز دینی درس گاہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف کشمیری رحمتہ اللہ علیہ (فاضل دارالعلوم دیوبند) نے آپؒ کو اجازت حدیث کے ساتھ ساتھ اعزازی سند بھی عطا فرمائی۔

دیگر علوم کی تحصیل:

دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپؒ نے عصری اور طب کی تعلیم بھی حاصل کی ۱۹۷۸ء میں ہی انٹرمیڈیٹ سیکنڈری ایجوکیشن بورڈ ملتان سے فاضل عربی کا امتحان آپؒ نے درجہ سوم میں پاس کیا، اسی طرح ہومیو پیتھک اور طب کے امتحانات بھی اعلیٰ نمبروں میں پاس کئے۔

شغف بالقرآن:

آپؒ کو قرآن کریم سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ آپؒ کو قرآن پاک سورۃ فاتحہ کی طرح ازبر تھا اور کثرت سے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

تلاوت کرتے تھے۔آخری دم تک بھی دس دس پارے تلاوت کرنے کا معمول تھا۔

زمانہ ماضی میں ہمارے علاقے محمد پور گھوٹہ میں قرآن مجید کے شبینوں کا بہت رواج تھا۔آپؒ اکثر و بیشتر شبینوں میں کئی کئی پارے پڑھتے تھے۔ایک مرتبہ مدرسہ عربیہ گھوٹہ شریف کی جامع مسجد میں شبینہ کے موقع پر آپؒ نے دو نفل میں کھڑے ہوکر مکمل قرآن شریف تلاوت کرکے سامعین اور اہل علاقہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا (سبحان اللہ)

واپڈا کی مسجد میں امامت وخطابت:

۱۹۸۰ء میں جامع مسجد واپڈا کالونی میں بحیثیت خطیب وامام آپؒ کا تقرر ہوا۔اس تقرری کا قصہ آپؒ اپنی زبانی یوں بیان فرماتے تھے کہ مجھے اُمید نہیں تھی کہ میرا یہاں تقرر ہوگا لیکن پھر بھی میں درخواست گزاری کے بعد انٹرویو دینے کے لئے چلا گیا۔انٹرویو لینے والے نے سوال کیا کہ نماز کے فرائض کتنے ہیں؟ سب علماء نے یہی جواب دیا کہ تیرہ (۱۳) ہیں۔سات باہر کے اور چھ اندر کے۔لیکن میں نے کہا کہ چودہ (۱۴) ہیں۔سات باہر کے اور سات ہی اندر کے۔اندر کے فرائض سبعہ میں سے چھ تو متفق علیہ ہیں اور ساتواں فرض ہے "خُرُوجِ بِصُنْعِ الْمُصَلِّیْ" یعنی نمازی کا قصداً نماز کے منافی فعل کے ذریعے نماز سے نکلنا۔یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو فرض ہے لیکن صاحبینؒ کے نزدیک فرض نہیں۔میری یہی بات اُن کو پسند آئی اسی پر انہوں نے میری تقرری کرلی۔

تدریسی خدمات:

آپؒ نے اپنے محبوب اُستاذ شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق تدریس قرآن کو اپنا مشغلہ بنایا۔واپڈا کی مسجد میں امامت وخطابت کے ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر آپؒ نے تدریسی خدمات بھی سرانجام دیں۔جامع مسجد موتی واقع جلیل آباد ملتان، جامع مسجد تقویٰ واقع جامعہ حرث الآخرۃ چاہ بوہڑ والا نزد عزیز ہوٹل ملتان، جامعہ خیر العلوم ممتاز آباد ملتان، حضرت مولانا فیض احمد ملتانی رحمۃ اللہ علیہ (سابق شیخ الحدیث جامعہ قاسم العلوم ملتان و جامعہ خیر المدارس ملتان) کے قائم کردہ ادارے جامعہ امداد العلوم انصار کالونی ملتان۔بعدازیں آپؒ نے اپنا ادارہ قائم کیا تو جب تک اپنے ادارے میں درجہ کتب کا اجراء نہیں ہوا تب تک آپؒ تدریس کرتے رہے۔جب بنین کے ابتدائی درجات اور بنات کے درجہ عالیہ تک درس نظامی کا اجراء ہوا تو پھر آپؒ نے اپنے ادارے میں درجہ کتب میں تدریس شروع کردی اور تادم آخر آپؒ بنات کے شیخ الحدیث رہے۔

ازدواج مسنونہ واولاد:

آپؒ نے پہلا نکاح اپنے چچا استاذ العلماء والحفاظ حضرت مولانا حافظ رفیع الدین گھوٹوی رحمۃ اللہ علیہ کی

صاحبزادی سے ۱۹۶۵ء میں کیا۔ دوسرا نکاح ۱۹۸۰ء میں استاذ القراء قاری خورشید احمد قریشی ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوا جو قرآن مجید کی پختہ حافظہ ہیں۔ آپؒ کی زوجہ اوّل بھی مضبوط اور پختہ حافظہ تھیں اور کئی حافظات کی اُستانی بھی تھیں۔ زوجہ ثانی سے آپؒ کی اولاد ہوئی ایک صاحبزادہ ہے مولانا فخر الدین رازی صاحب مدظلہ جو صحیح معنیٰ میں آپؒ کے جانشین ہیں اور جامعہ جمال المدارس کے مہتمم بھی ہیں۔ اُن کی پیدائش پر شیخ القراء حضرت مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور مسنونہ گھٹی بھی دی اور آپ کا نام بھی تجویز کیا۔ اور چھ صاحبزادیاں ہیں جن میں تین عالمات ہیں۔

جمال المدارس کا قیام اور اس کی وجہ تسمیہ:

آپؒ نے عقب پرانی روی کاٹن فیکٹری رحمان کالونی خانیوال روڈ ملتان میں جمال المدارس کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ محمد پور گھوٹہ میں آپؒ کے آباؤ اجداد کا قائم کردہ ادارہ مدرسہ عربیہ گھوٹہ شریف مرورِ زمانہ کی وجہ سے اختتامی مراحل میں پہنچ چکا تھا آپؒ کو اس کا بہت قلق تھا۔ لہٰذا آپؒ نے اپنے آباؤ اجداد کے علمی ورثے کو بحال کرتے ہوئے مدرسہ عربیہ گھوٹہ شریف کی نشاۃ ثانیہ کی اور اس کا نام جمال المدارس رکھا۔ آپؒ نے اپنے پردادا جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا حافظ جمال الدین گھوٹویؒ کے نام نامی اسم گرامی سے موسوم کر کے اس مدرسہ کا نام جمال المدارس تجویز فرمایا۔

سنگ بنیاد کی تقریب:

۱۴۱۳ھ بمطابق ۱۹۹۳ء میں جمال المدارس کے سنگ بنیاد کی تقریب منعقد ہوئی جس میں حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمتہ اللہ علیہ اور نمونہ اسلاف حضرت مولانا مفتی منظور احمد تونسوی رحمتہ اللہ علیہ (سابق رئیس دارالافتاء جامعہ قاسم العلوم ملتان) تشریف لائے۔ سنگ بنیاد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے دست مبارک سے رکھوایا گیا۔ اس کے بعد ایک ایک اینٹ حضرت مولانا مفتی منظور احمد تونسوی رحمتہ اللہ علیہ اور استاذ العلماء حضرت مولانا قاری نذیر احمد گھوٹویؒ نے رکھی۔ جب بنیاد رکھی جا چکی تو سب لوگوں نے جمال المدارس کی بقاء و ترقی کے لئے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں دُعا کی۔

آخری ایام اور وفات:

رمضان المبارک کا مہینہ تھا، پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود آپؒ کی کوشش ہوتی تھی کہ کوئی روزہ نہ چھوٹے اور تلاوت قرآن بھی روزانہ بلا ناغہ دس دس پارے تک کرتے رہے۔ رمضان کے مہینے میں آپؒ ہر سال

اعتکاف بھی کرتے تھے۔ بوجہ ضعف وکمزوری اہل خانہ کے منع کرنے کے باوجود بھی آپؒ یہ کہہ کر اعتکاف میں بیٹھ گئے کہ شاید اگلے سال میں اعتکاف میں بیٹھ سکوں یا نہیں۔اور باقاعدگی سے اپنے معمولات پورے کرتے رہے۔

رمضان المبارک کے بعد ۳ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۶ مئی ۲۰۲۰ء بروز منگل بعد از نماز فجر آپؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہوئی جس کی وجہ سے آپؒ کے صاحبزادہ مولانا فخر الدین رازی صاحب مدظلہ آپؒ کو ہسپتال لے گئے اور چیک کرا کر واپس لے آئے۔آپؒ تادم آخر چلتے پھرتے رہے وفات کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ چونکہ عید الفطر کا تیسرا دن تھا اس لئے بہنیں، بھائی اور دیگر رشتہ دار وغیرہ ملنے کے لئے گھر آئے ہوئے تھے۔آپؒ سب سے ہنسی خوشی ملے جلے عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے معمولات پورے کر کے گھر آئے اور اپنے اکلوتے بیٹے کے متعلق پوچھا کہ رازی صاحب کہاں ہیں؟ اُن کو بلاؤ۔رازی صاحب آئے اُن کو غور سے دیکھا پھر اپنا سر اُن کی گود میں رکھا اور وہیں آپؒ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے رب حقیقی سے جاملی۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

اگر چہ علم وفضل، ایثار واخلاص اور مرحمت وشفقت کا یہ پیکر مجسم اس عالم اسباب وظواہر سے روپوش ہو گیا۔مگر ہزاروں چاہنے والوں کے دلوں کو ان کی یاد ہمیشہ گرماتی رہے گی اور تبلیغ دین، اقامت شریعت اور احیائے سنت کے لئے انہوں نے جو کوششیں کی ہیں وہ اپنے برگ وبار لاتی رہیں گی۔

نماز جنازہ وتدفین:

۴ شوال المکرّم ۱۴۴۱ھ بمطابق ۲۷ مئی ۲۰۲۰ء کو صبح آٹھ بجے واپڈا کالونی میں استاذ العلماء حضرت مولانا محمد نواز سیال صاحب دامت برکاتہم (مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ قادریہ حنفیہ صادق آباد ملز ملتان) کی اقتداء میں آپؒ کا نماز جنازہ ادا کیا گیا جس میں ہزاروں کی تعداد میں معتقدین ومتوسلین اور عوام الناس نے شرکت کی۔

نماز جنازہ کے بعد چارپائی کو اٹھانے والے علماء کرام اور حفاظ وقراء حضرات تھے۔میت کو جمال المدارس میں لایا گیا۔قبر تیار تھی جمال المدارس کے احاطہ میں ہی اس خزانہ علم وحکمت اور گنجینہ معرفت کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

ہے دعاء مرقد تیری جنت کا ایک گلزار ہو
حشر تک ہوں رحمتیں تجھ پر خدا کا پیار ہو

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

چند چھوٹی چھوٹی توجہ طلب باتیں

مولوی غفران محبوب

طالب علمانہ زندگی میں بعض امور ایسے دخیل ہو جاتے ہیں جو رفتہ رفتہ عادت بن جاتے ہیں۔ان میں سے ایک کام فرض نمازوں کے فوراً بعد دعا کے بغیر مسجد سے ''فرار'' ہے۔طلبہ عموماً امام کے سلام پھیرتے ہی صفوں سے کھسکنا شروع ہو جاتے ہیں۔اس دوران وہ بہت سی کوتاہیوں کا شکار ہوتے ہیں:

☆......مسنون تسبیحات اور دعا میں کوتاہی۔

☆......صفیں روندنے اور کندھے پھلانگنے کا عمل۔

☆......بعض صورتوں میں مسبوقین کے آگے سے گزرنے اور انہیں پریشان کرنے کی ناروا کوشش۔

اگرچہ حضرات اساتذہ کرام بار بار سمجھاتے ہیں مگر سنی ان سنی کر دی جاتی ہے۔یہ عادت پختہ ہو جائے تو اس کا مزید نقصان اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب طلبہ فارغ ہو کر اپنے علاقوں میں جاتے ہیں،اور وہاں بھی یہی روش اپناتے ہیں۔محلے والے دیکھ کر حیران ہوتے ہیں کہ یہ عجیب مولوی ہے جو نماز کے بعد دعا بھی نہیں مانگتا۔اس سے ان کے دلوں میں دینی مدارس اور طلبہ کے متعلق بدظنی پیدا ہوتی ہے۔کیا ہی اچھا ہو کہ طالب علم بھائی اس عادت کو ترک کر دیں۔

☆......رومال جو سر پر باندھنے اور کندھے پر اوڑھنے کے لیے وضع ہوا ہے،جو عالم کی شان اور طالب علم کا مان ہوتا ہے۔کئی عزیز طلبہ کو دیکھا کہ وہ وضوخانے سے نکلتے ہوئے رومال سے چہرہ اور بازو صاف کرتے ہوئے آئیں گے اور صف میں کھڑے ہو کر اسی رومال سے ایک مرتبہ جھاڑ و لگائیں گے،پھر باقاعدہ پاؤں تلے دبا کر نماز کی نیت باندھ لیں گے۔چند لمحے قبل جس رومال سے چہرے جیسے نرم و نازک عضو کو صاف کر رہے تھے اب وہی رومال ان کے پاؤں تلے پڑا سسکیاں لے رہا ہے۔اس باب میں ہم نے صرف طلبہ ہی نہیں کئی اساتذہ کو مبتلا دیکھا......حالانکہ آپ کو خوب معلوم ہے:وضع الشیء فی غیر محلّہ ظلم!۔

ایسا ہی ایک تجربہ ہمیں یوں ہوا کہ ہمارے ایک ان دیکھے مخلص محبّ نے اپنے علاقے سے کھجوروں کا ہدیہ بھیجا،دل

سے ان کا شکریہ ادا کیا۔ مگر جب پیکٹ کھول کر دیکھا تو وہ کھجوریں جوتوں کے ڈبے میں ارسال کی گئی تھیں۔ طبیعت اس پر خاصی مکدر رہوئی اور کھجوریں کھانے کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوئی۔

☆......دارالاقامہ میں چلے جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ جیسے اکثریت نے الطہور شطر الایمان کے مقابلے کے لیے کمر کس لی ہے۔ کھانے کے اَن دُھلے برتن کئی کئی روز الماریوں میں اور چارپائیوں کے نیچے رکھے نظر آئیں گے، روٹی کے ٹکڑے بھی اِدھر اُدھر پڑے نظر آتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہی برتن دھو کر سلیقے سے رکھنے کی عادت اپنانی چاہیے، اسی طرح روٹی کے ٹکڑے سمیٹ کر مطبخ میں جمع کرادینے چاہییں، تاکہ رزق کی بے ادبی نہ ہو۔

☆......آج کل مساجد و مدارس میں پلاسٹک کی تپائیوں کا استعمال عام ہے، یہ وزن میں ہلکی اور اٹھانے رکھنے میں آسان ہوتی ہیں۔ حفظ کے درجات میں لکڑی کی موٹی اور بھاری تپائیوں کی جگہ پلاسٹک کی ان تپائیوں نے لے لی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد ان پر میل جمنے لگتی ہے اور آہستہ آہستہ بدنما ہوجاتی ہیں۔ بعض اوقات اتنی میلی ہوجاتی ہیں کہ انہیں دیکھ کر کراہت ہونے لگتی ہے۔ یہ وہ تپائیاں ہوتی ہیں جن پر قرآن مقدس رکھ کر پڑھا جاتا ہے، مگر ہم نے دیکھا ہے کہ انہیں صاف کرنے کی طرف دھیان نہیں جاتا۔ حالانکہ ان کی صفائی نہایت آسان ہے۔ گھروں میں ہم برتن صاف کرنے کے لیے اسفنج اور برتن دھونے کا صابن استعمال کرتے ہیں۔ اسی سے پلاسٹک کی تپائیاں بھی دھو کر صاف کی جاسکتی ہیں۔ مہینہ میں ایک مرتبہ بھی اس کا اہتمام ہوجائے تو اس بدنمائی سے بچا جاسکتا ہے۔ راقم نے گھر میں بچوں کے لیے یہی تپائیاں رکھی ہوئی ہیں، تقریباً چھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، دو تین ماہ بعد اس طریقے سے صاف کرنے کی وجہ سے اب بھی نئی معلوم ہوتی ہیں۔

ایک اور بات کہ مسجدوں میں کرسیوں کے استعمال کا رواج بھی بہت عام ہوگیا ہے، اس کی حدود کیا ہیں؟ اور کن وجوہ کی بناء پر اسے استعمال کیا جاسکتا ہے؟ اس پر تو حضرات مفتیان کرام روشنی ڈال سکتے ہیں، البتہ پلاسٹک کی تپائیوں کی طرح ان کرسیوں کو بھی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے مسجد کی صفائی ستھرائی مناسب ہوتی ہے مگر ان کی کرسیوں پر گرد و غبار لگا ہوتا ہے۔ خصوصاً کرسی کو اٹھانے رکھنے کے دوران جہاں ہاتھ لگتے ہیں وہاں میل کی تہیں جمی ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسجد انتظامیہ کی طرف سے انہیں صفائی کا استثنیٰ حاصل ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے، انہیں بھی بہت آسانی سے صاف کیا جاسکتا ہے؛ بس توجہ کی ضرورت ہے۔

☆......بعض مرتبہ کسی کا فون آتا ہے، مخاطب اگر کسی وجہ سے فون نہ سن سکے تو دو تین مرتبہ کال کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔ جسے آپ نے فون کیا ہے وہ کسی ضروری کام میں مصروف ہوسکتا ہے۔ آپ اگر کال کے ذریعے کوئی پیغام دینا چاہتے تھے اور رابطہ نہیں ہو پایا تو بہتر ہے کہ ایک میسیج بھیج دیں کہ فلاں کام کی وجہ سے فون کیا تھا۔ ساتھ اپنا تعارف

میں بھی لکھ دیں،اس طرح دوسرا آدمی بھی پریشان نہیں ہوگا کہ جانے کیوں فون کیا تھا۔

اسی سے متعلق ایک اور توجہ طلب بات ہے۔آپ جب بالمشافہ گفتگو کرتے ہیں تو شخصیت کے بہت سے پہلو لب ولہجہ کے اتار چڑھاؤ اور چہرے کے تاثرات سے واضح ہوجاتے ہیں۔واٹس ایپ اور دیگر ٹیکسٹ میسجز میں چونکہ مخاطب سامنے نہیں ہوتا اس لیے الفاظ کے انتخاب میں بہت احتیاط برتنی چاہیے۔الفاظ آپ کی اندرونی کیفیت اور ظاہری رکھ رکھاؤ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔آپ کے الفاظ ہی آپ کی شناخت ہوتے ہیں۔لہٰذا آپ کا عام زندگی میں جس درجے کا تعلق ہو؛میسج کرتے ہوئے الفاظ کے انتخاب میں اسی تعلق کو ملحوظ رکھیں،بصورت دیگر الفاظ کے عدم توازن سے غلط فہمیوں کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ہمارا دین ہمیں ہر لحظہ ادب کی تلقین کرتا ہے۔نجی زندگی میں بھی اور ڈیجیٹیل رابطہ کے دوران بھی۔

☆......ایک بات بہت عام ہوگئی ہے کہ سوشل میڈیا پر کوئی بھی حیران کن،مشتعل،پریشان،چونکا دینے والا میسج آتا ہے تو اسے بلا سوچے سمجھے آگے نشر کردیا جاتا ہے۔عام طور پر ایسے میسج جھوٹے ہوتے ہیں،بظاہر بہت اہم لگتے ہیں،مگر حقیقت کھلتی ہے تو پشیمانی ہوتی ہے۔ہمارے دین میں اس بارے نہایت واضح تعلیمات ہیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیارشاد فرمایا:آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے پہنچادے۔"(مفہوم)۔اس لیے کوئی بھی میسج آگے بھیجنے سے پہلے تحقیق کرلی جائے کہ یہ بات مصدقہ ہے؟۔اگر جواب ہاں میں ہے تو سوچ لیا جائے کہ اسے آگے بڑھانے کی ضرورت بھی ہے؟۔یہ بھی خیال کرلیا جائے کہ اس میسج/خبر سے کسی کو تکلیف یا پریشانی تو نہ ہوگی؟!۔اس کے بعد مناسب لگے تو اس پیغام کو آگے بڑھایا جائے۔

☆......کیمرہ والے موبائل عام ہوگئے ہیں۔طلبہ کرام بھی اب مہنگے اینڈرائڈ موبائل رکھنے لگے ہیں۔اول تو دوران طالب علمی اینڈ رائیڈ موبائل رکھنے ہی نہیں چاہییں،اگر رکھ لیا ہے تو صرف ضروری امور میں استعمال کریں۔سیلفیاں بنانے اور انہیں سوشل میڈیا پر شیئر کرنے کی وبا عام ہے۔اس باب میں طلبہ ہی نہیں بعض علماء بھی اس کا شکار نظر آتے ہیں،یہ بات اہل علم کے شایان شان نہیں۔آپ اس چیز کو مباح سمجھتے ہیں تو بھی احتیاط لازم ہے۔ایک اور بات ہے کہ کسی کی اجازت کے بغیر اس کی تصویر لینا۔اول تو تصویر لینا جائز نہیں،آپ جائز سمجھتے ہیں لیکن ممکن ہے کہ دوسرا اس بات کو ناپسند کرتا ہو؛بہر صورت اس سے احتراز ضروری ہے۔

☆......عموماً دیکھا سنا گیا ہے کہ کوئی شخص جب اپنے گھر جا کر دستک دیتا ہے اور جواباً پوچھا جاتا ہے"کون؟"تو دستک دینے والا کہتا ہے"کھولو"۔یہ نامناسب اور غیر مہذب انداز ہے۔اولاً تو اپنا نام بتانا چاہیے،یا پھر یوں کہنا چاہیے:......"دروازہ کھولیے!"۔

مالاکنڈ ڈویژن میں عظیم الشان استحکام مدارس کانفرنس

مولانا مفتی سراج الحسن
میڈیا کوآرڈینیٹر وفاق المدارس

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مورخہ 23 جون بروز جمعرات دارالعلوم حقانیہ معیار پیتاؤ سخاکوٹ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق مالاکنڈ ڈویژن کے مدارس کا ایک عظیم الشان استحکام مدارس کانفرنس منعقد ہوا۔کانفرنس میں امتحان وفاق المدارس 1443ھ میں مالاکنڈ ڈویژن کے سطح پر پوزیشن لینے والے طلبہ اور طالبات کے سرپرستوں میں انعامات بھی تقسیم کیےگئے۔علاقائی معاون ناظم مولانا صدیق احمد صاحب اور ضلعی مسئول مولانا محمد سلیمان حقانی اور ان کے دیگر رفقائے کار کی شبانہ روز محنتوں کی وجہ سے کانفرنس ہر اعتبار سے کامیاب اور شاندار رہا۔اللہ تعالیٰ جملہ حضرات کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔

کانفرنس میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ خیبر پختونخوا کے ناظم حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ناظم پنجاب حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب مدظلہ العالی، معاون مرکزی نائب صدر اول حضرت مولانا سلمان الحق صاحب نے خصوصی طور پر شرکت کی۔ناظم پنجاب حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب نے معاشرے میں مدارس دینیہ کے کردار پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ دینی مدارس قوم کی امیدیں اور آرزوئیں ہیں۔پوری دنیا نے دینی مدارس کے نصاب اور نظام کی برکت کو تسلیم کیا ہے۔دینی مدارس معاشرے میں دین اسلام کی بقاء اور ترویج واشاعت کے مراکز ہیں۔وفاق المدارس سالانہ اسی ہزار سے زائد حفاظ تیار کررہے ہیں۔جو ہمارے ملک کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔وفاق المدارس نے یکساں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم کے ساتھ امیر وغریب کا فرق ختم کیا ہے۔دینی مدارس میں کوئی طبقاتی نظام تعلیم نہیں اور نہ ہر صوبے کا الگ الگ نصاب ہے بلکہ ایک ہی چھتری کے سایے تلے طلبہ وطالبات تعلیم حاصل کررہے ہیں۔وفاق المدارس عالم اسلام کا سب سے بڑا تعلیمی نیٹ ورک ہے اور کسی اسلامی بورڈ کے ساتھ نہ اتنے مدارس ہیں اور نہ اتنے طلبہ اور نہ اتنی بڑی کارکردگی۔

ناظم وفاق صوبہ خیبر پختونخوا حضرت مولانا حسین احمد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ معاشرہ میں دینی بیداری مدارس کی مرہون منت ہے۔یہ مدارس دنیا میں دین وعلم کی بقا واشاعت اور مسلمانوں کی

دینی وشرعی ضرورتوں کے مراکز ہیں۔ مدارس کی بقا اسلام کی بقا اور تحفظ ہے۔ دینی مدارس پاکستان کے آئین اور اس کی خودمختاری کے محافظ ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کی خاطر بے سروسامانی کی حالت میں قوم کے بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ہمہ وقت کوشاں ہیں یہاں سے امن وسلامتی کے داعی، محبّ وطن اور انسانیت کے لیے رحمت بننے والے علمائے کرام نکلتے ہیں۔ لہٰذا اپنے بچوں کو دینی مدارس میں داخل کرا کر قرآن وحدیث کی تعلیمات سے روشناس کرائے۔ ان شاء اللہ یہی بچے معاشرے کے بہترین مینار نور بنیں گے۔ دینی مدارس کی خدمات صرف برصغیر یا چند ملکوں تک محدود نہیں بلکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں دینی مدارس نے قرآن وسنت کے علوم کی اشاعت وحفاظت کی ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کا تحفظ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی نصرت وفضل سے وفاق المدارس نے دینی مدارس کے خلاف ہونے والی ہر سازش کو ناکام بنایا اور آئندہ بھی دینی مدارس کو بیرونی دست برد سے ہر قیمت پر محفوظ رکھیں گے۔ مدارس کے بارے دین دشمن قوتوں کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ اگر ایک طرف دینی مدارس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے تو دوسری طرف سائبان کی صورت میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان بھی کسی نعمت عظمیٰ سے کم نہیں۔ مدارس کی بقاء اور استحکام کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وفاق سے جوڑا ہے۔ وفاق المدارس مدارس کا چوکیدار ہے۔ وفاق کو ہر دور میں بڑی بڑی شخصیات اور اکابر کی سرپرستی حاصل رہی۔ موجودہ وقت میں شیخ الاسلام مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدکم السامی صدر وفاق جبکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ مرکزی نائب صدر اول اور ناظم اعلیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہ العالی ہیں۔ جملہ اکابرین وفاق امن کے داعی اور ہمیشہ اتفاق واتحاد کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ وفاق المدارس کے پلیٹ فارم سے ہمیشہ امن کا پیغام دیا گیا ہے۔

کانفرنس سے مرکزی نائب صدر اول وفاق حضرت مولانا انوار الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے معاون خصوصی مولانا سلمان الحق صاحب نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان اہل علم سے محبت کرتے ہیں اور اہل علم نے اس ملک میں دین کو قائم کیا، مدارس ومکاتب قائم کیے اور تفقہ فی الدین اور رسوخِ علمی پیدا کیا اور اُمت کی ہر موقع پر رہنمائی کی۔ یہ عظیم الشان کانفرنس حضرت مولانا سلمان الحق صاحب کی دعا سے اختتام پذیر ہوا۔ کامیاب اور عظیم الشان کانفرنس کے انعقاد پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان علاقائی معاون ناظم حضرت مولانا صدیق احمد، ضلعی مسئول مولانا محمد سلیمان حقانی صاحب اور مالاکنڈ ڈویژن کے دیگر مسئولین وفاق کا تہہ دل سے شکر گزار ہے۔ ان شاء اللہ مالاکنڈ ڈویژن کے مدارس پر اس عظیم الشان کانفرنس کے مثبت اثرات یقیناً مرتب ہوں گے۔

تبصرہ کتب

نقوشِ قرآن ۳ جلد

تالیف: شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی۔ صفحات: ج:1:415۔ ج:2۔ 415 ۔ ج: 3: 415۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: مکتبہ رشیدیہ۔ جامعہ فاروقیہ شجاع آباد۔ رابطہ نمبر 0300-4396067

دنیا میں دو نعمتیں ایسی ہیں جن کا کوئی جواب نہیں، ایک قرآن وعلوم قرآن کی تفسیر وتدریس، اور دوسری حدیث مبارکہ کی خدمت۔ شیخ الحدیث مولانا زبیر احمد صدیقی زید مجدہم خوش نصیب ہیں کہ انہیں دونوں نعمتیں میسر ہیں۔ گزشتہ سالوں میں جب کرونا کی وبا عام ہوئی اور زندگی کی رونقیں سمٹ اور سکڑ گئیں تو بہت سے اہل علم کو فرصت کے لمحات میسر آئے۔ اس دوران کئی اہل علم نے برسوں سے تشنہ علمی منصوبوں کی جانب التفات کیا، مسودات کو دیکھا بھالا اور کئی علمی کتابیں معرض وجود اور منصۂ شہود پر آئیں۔ ''نقوشِ قرآن'' کا قصہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ کرونا کے دنوں میں جب رمضان المبارک آیا تو مولانا زبیر احمد صدیقی زید مجدہم نے نماز تراویح کے بعد تراویح میں پڑھے گئے قرآن مجید کا خلاصہ وتشریح بیان کرنا شروع کیا۔ ان بیانات کو چونکہ ریکارڈ کیا جاتا رہا، اس لیے اب کتابی صورت میں جمع کر کے شائع کیا گیا ہے۔ ''نقوش قرآن'' تمام ظاہری اور معنوی خوبیوں سے مزین ہے۔ یہ باقاعدہ مکمل تفسیر نہیں ہے، بلکہ منتخب آیات کا ترجمہ وتشریح اور خلاصہ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ تمام مضامین قرآن کی تشریح وتوضیح ایک مربوط انداز میں سامنے آجاتی ہے۔ پہلی جلد سورۃ الفاتحہ سے لے کر سورۃ الانفال تک، دوسری جلد سورۃ التوبہ سے لے کر سورۃ القصص تک اور تیسری جلد سورۃ العنکبوت سے لے کر سورۃ الناس تک کے مضامین پر مشتمل ہے۔ مولانا زبیر احمد صدیقی اپنے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

''نقوش قرآن'' عام آدمی کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے، کتاب کا اسلوب سادہ لیکن علمی رکھا گیا ہے۔ ہر سورت کا نمبر، ضروری تعارف، فضائل اور سابقہ سورت کے ساتھ ربط ذکر کرنے کا التزام کیا گیا ہے۔ سورت کا مرکزی خیال اور عمومی مضامین چند سطروں میں اس طرح ذکر کیے گئے ہیں کہ چند منٹوں میں سورت کا اجمالی خلاصہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اجمالی خلاصہ کے بعد تفصیلی خلاصہ آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے، آیات کے شان نزول، فضائل، عبر وحکم، قصص قرآنیہ، علمی لطائف، بعض تحقیقی مباحث وغیرہ بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔''

پہلی جلد کے آغاز میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کا مرتب فرمودہ ''اشاریہ مضامین

وفاق المدارس العربیہ پاکستان

قرآن کریم‘‘اہمیت کا حامل ہے۔قرآن کریم کے علوم ومعارف کی کوئی انتہا نہیں ہے۔انسان اس سمندر میں غوطہ زن ہوتا ہے تو اپنی ہمت اور استعداد کے مطابق لعل وجواہر نکال لاتا ہے۔’’نقوش قرآن‘‘ میں کس نوعیت کے مضامین سمٹ آئے ہیں ان کا اندازہ ہر جلد کے آغاز میں دی گئی تفصیلی فہرست سے کیا جاسکتا ہے۔صدر وفاق المدارس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی’’نقوش قرآن‘‘ پر اپنی رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

’’بندہ نے اس کی ورق گردانی کے دوران متعدد جگہوں کو دیکھا تو نظر آیا کہ ماشاء اللہ نہایت دلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ان آیات کا مفہوم، ان کا پس منظر، اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قرآن کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں، ان کے لیے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔‘‘

نقوش قرآن نہ صرف رمضان المبارک میں خلاصہ بیان کرنے میں معاون ہے بلکہ شعبان ورمضان میں دورہ تفسیر پڑھنے والے علماء وطلبہ کے لیے بھی نہایت مفید ہے۔

یہ تھے اکابر مظاہر

تالیف: مولانا مفتی ناصرالدین مظاہری، صفحات: 292۔طباعت: مناسب۔ ملنے کا پتا: مکتبہ تراث الادب خانیوال، 0300-4097744

سقوط دہلی اور ہندوستان پر انگریز کے قبضے کے بعد سب سے بڑی اُفتاد مسلمانوں پر پڑی تھی، چونکہ انگریز نے حکومت وسلطنت مسلمانوں سے چھینی تھی اس لیے اس نے مسلمانوں کو دبانے کا ہر حربہ استعمال کیا۔مسلمانوں کے اوقاف ختم کردیے، تعلیمی اداروں کو ویران کردیا اور حکومت وریاست کے مناصب ان کے لیے شجر ممنوعہ قرار پائے۔ دینی مدارس اور علماء کو خاص طور پر نشانے پر رکھا گیا، تاکہ مسلمان اپنے دین سے بیگانہ اور معاشی اعتبار سے پسماندہ ہوجائیں، وہ کسی صورت سر اٹھا کے چلنے کے قابل نہ رہیں۔ایسے میں دو ادارے خالصتاً لوجہ اللہ قائم ہوئے؛ جن کے وجود سے مسلمانان ہند کو سہارا ملا، ایک دارالعلوم دیوبند اور دوسرا مظاہر العلوم سہارن پور، دونوں اداروں کے بانیان اپنے اخلاص للّٰہیت، مقصد سے لگن میں اپنی مثال آپ تھے۔

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کو جو شخصیات میسر آئیں وہ تبحر علمی، تقویٰ وتدین، زہد وورع، عبادت وریاضت، اور سادگی وقناعت میں یکتا تھے۔انہوں نے امانت ودیانت کی ایسی مثالیں چھوڑیں جنہیں سن اور پڑھ کر انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔مولانا مفتی ناصرالدین مظاہری جامعہ مظاہر العلوم کے استاذ اور صاحبِ اسلوب ادیب ہیں،

انہوں نے اپنے اچھوتے اور البیلے انداز میں اکابر مظاہر کے حالات وواقعات کو جمع کیا ہے۔ان شخصیات میں مولانا سعادت علی فقیہ،مولانا احمد علی محدث سہارنپوری،مولانا محمد مظہر نانوتوی،مولانا فیض الحسن سہارنپوری،مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی،مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری،مولانا محمد الیاس کاندھلوی،مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری،مولانا بدر عالم میرٹھی،مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ اور کئی دیگر اکابر مظاہر شامل ہیں۔

اس مجموعے میں مذکور اکثر اکابر درس وتدریس،اشاعتِ دین اور مدرسہ کے انتظام وانصرام میں بھی شامل ودخیل تھے۔اکابر مظاہر نے اموال واملاکِ وقف میں جس حزم واحتیاط کا مظاہرہ کیا وہ آج کے مہتممین وناظمین اور اساتذہ مدارس کے لیے مشعل راہ ہے۔یہ واقعات پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ قریب زمانے کے لوگ نہیں تھے،شاید صحابہ کے قافلے سے بچھڑ کر اس زمانے میں آ گئے ہیں۔مولانا ناصر الدین مظاہری کا اسلوب تحریر بھی ایسا ہے کہ ہر ہر جملہ کسی جوہری کے ہنرمند ہاتھوں میں ڈھلا محسوس ہوتا ہے۔اکابر کے واقعات نہ صرف در دل پر دستک دیتے ہیں بلکہ ایمان وعقیدہ کو تازہ اور عمل کے لیے آمادہ بھی کرتے ہیں۔مولانا بشارت نواز صاحب کی ہمت کو داد دینی چاہیے کہ انہوں نے کتاب بیزاری کے ماحول اور شدید مہنگائی کے دور میں اسے شائع کر کے ادب نواز کتاب دوستوں پر احسان کیا ہے۔ہمارے خیال میں یہ کتاب ہر مہتمم اور ناظم مدرسہ کو لازماً مطالعہ کرنی چاہیے۔

قرآن مجسم صلی اللہ علیہ وسلم (نعتیہ قصیدہ)

مصنف: قاری محمد جاوید۔صفحات:255۔طباعت: مناسب۔ملنے کا پتا: قاری محمد جاوید گاؤں وڈاک خانہ مراد پور ضلع وتحصیل مانسہرہ۔رابطہ نمبر 0346-9834862

حدیث شریف میں ہے ”ان من الشعر لحکمۃ“ شعر کہنا اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ صلاحیت ہے،اگر یہ مشغلہ کسی اعلیٰ مقصد کے لیے ہو تو سبحان اللہ!۔قاری محمد جاوید صاحب قادر الکلام شاعر ہیں۔انہوں نے اپنے قلم کو زلف ورخسار کے لیے وقف کرنے کی بجائے حمد ونعت کے لیے خاص کر لیا ہے۔”قرآن مجسم“ 255 صفحات پر پھیلا مسدس حالی کی طرز پر نعتیہ قصیدہ ہے جس کے ہر ہر مصرعے سے عشقِ رسالت مآب کا والہانہ اظہار ہوتا ہے۔

یہ شعری مجموعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا نعتیہ قصیدہ ہے جو آپ کی سیرت طیبہ کے قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔اہل دل کے لیے مطالعے کا بہترین توشہ ہے۔

☆......☆......☆